مرکز علوم اسلامیہ دارالعلوم دیوبند

کا

علمی، مذہبی، اصلاحی

ماہنامہ

دارالعلوم

زیر نگرانی

حضرت مولانا محمد طیب صاحب مدظلہ

مہتمم دارالعلوم دیوبند

کی وا

مرتبہ

قاضی خلیق احمد صدیقی

مدیر ماہنامہ دارالعلوم دیوبند

ماہنامہ

دارالعلوم

دیوبند

سالانہ چندہ
تین روپے
سے ؍

قیمت فی پرچہ ۴ ؍
بیرونی ممالک ۴ ؍ سے باضافہ
محصول ڈاک

نصب العین

تعلیمات اسلامی کو سہل اور دلنشین انداز میں شائع کرنا
مخالفین اسلام کے حملوں کی بطریقِ احسن مدافعت کرنا
مسائل علمیہ کے متعلق فضلائے دارالعلوم دیوبند کے محققانہ و فاضلانہ مقالات پیش کرنا۔

فہرست مضامین

جلد ۶ | بابت ماہ ذیقعدہ و ذی الحجہ ۱۳۶۶ھ مطابق ماہ اکتوبر و نومبر ۱۹۴۷ع | شمارہ ۱۱، ۱۲

کوائف دار العلوم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم - نحمدہٗ ونصلی علی رسولہ الکریم

ضروری معذرت | ماہ ذی قعدہ و ذی الحجہ ۱۳۶۶ھ کا رسالہ قارئین و معاونین کرام کی خدمت میں نہایت تاخیر کے ساتھ حاضر ہو رہا ہے جس کی وجہ دارالسلطنت ہند دہلی کے قیامت خیز فسادات ہیں۔ ہم نے ماہ شوال ۱۳۶۶ھ کے رسالہ کی طباعت کے لئے محرر رسالہ منشی ممتاز احمد صاحب کو ۳ شوال کو دہلی روانہ کر دیا تھا اور حسب معمول یہ توقع تھی کہ زیادہ سے زیادہ ۱۵ شوال تک رسالہ طبع ہو کر آجائے گا اور ہم بر وقت ۲۰ شوال سے قبل رسالہ شائع کر سکیں گے مگر منشی صاحب موصوف کے دہلی پہونچنے کے بعد فسادات دہلی کا سلسلہ شروع ہو گیا اور وہ دہلی میں پورے دو ماہ بیس روز تک گوناگوں مصائب و مشکلات میں مبتلا رہے جب دہلی میں کسی قدر امن ہوا تو دیوبند کی واپسی کے لئے سرکاری اجازت نامہ کی ضرورت واقع ہوئی جس کے لئے منشی صاحب موصوف کا خط موصول ہونے پر حضرت مہتمم صاحب دار العلوم کی سفارش اور حاکم علاقہ صاحب دیوبند کی تصدیق کے بعد منشی موصوف کو حکومت دہلی کی جانب سے پروانۂ راہداری مل سکا اور وہ بہزار دقت موٹر لاری کے ذریعہ میرٹھ و مظفر نگر اور وہاں سے گھوڑا تانگہ کے ذریعہ ۲۳ ذی الحجہ ۱۳۶۶ھ کو دیوبند پہونچے اور اس طرح بجائے ۲۰ شوال کے ۲۵ ذی الحجہ ۶۶ھ کو رسالہ شائع کیا جا سکا۔

ذی قعدہ و ذی الحجہ ۶۶ھ کے رسالہ کی اشاعت کے متعلق یہ خیال تھا کہ حکومت ہند سے حصول اجازت کے بعد سہارنپور میں طبع کرا کر شائع کر دیا جائے گا جس کے لئے ضابطہ کی درخواست بھی بھیجدی گئی مگر اس دوران میں سہارنپور کے خطرناک اور ہوش ربا فسادات کا سلسلہ شروع ہو گیا ان فسادات کی وجہ سے سہارنپور اور دہلی کے درمیان چلنی والی تمام ریل گاڑیاں بند کر دی گئیں اور سہارنپور و دیوبند کے درمیان آمد و رفت کا سلسلہ مسدود ہو گیا ماہ نومبر ۱۹۴۷ء کے آخر میں سہارنپور کے موجودہ کلکٹر و ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ صاحب بہادر

کی انتھک مساعی سے جب سہارنپور کے فسادات کا سلسلہ ختم ہو کر وہاں امن وسکون کا دور دورہ ہوا تو احقر نے خود سہارنپور پہونچ کر طباعت رسالہ کی سعی کی مگر سہارن کے بازار میں چونکہ کاغذ کسی قیمت پر بھی دستیاب نہ ہو سکا اس لئے ہم ذی قعدہ وذی الحجہ ۱۳۶۶ھ کا رسالہ ماہ محرم وصفر ۱۳۶۷ھ میں بھی شائع کرنے سے قاصر رہے۔ بارے خدا کا ہزار ہزار شکر ہے کہ ان گوناگوں مشکلات پر ایک حد تک قابو حاصل کرنے کے بعد رسالہ قارئین کرام کی خدمت میں پیش کرنے کا موقع حاصل ہو سکا فالحمد للہ علی ذلک۔

محرم ۱۳۶۷ھ لغایت جمادی الثانی ۱۳۶۷ھ کا رسالہ یکجائی زیر طبع ہے جو عنقریب ہی حاضر خدمت کیا جائے گا۔ امید ہے کہ اس ناگہانی اور غیر اختیاری تاخیر میں معاونین کرام ہمیں قطعی طور پر معذور تصور فرمائیں گے۔

جشن آزادی پر حضرت مہتمم صاحب مدظلہ کی ایک اہم تاریخی تقریر

۱۵ راگست ۱۹۴۷ء اور اس کے متصل ایام میں ہندوستان کے طول وعرض میں جشن آزادی ہند کے سلسلہ میں ہزاروں تقریریں ہوئیں لیکن اس تقریب پر فخر الاماثل حضرت مولانا الحاج قاری محمد طیب صاحب مدظلہ رئیس الاہتمام دارالعلوم نے جو بصیرت افروز تقریر ۱۵ و ۱۶ اگست کی درمیانی شب میں نماز تراویح کے بعد اہل شہر، علمائے وطلبائے دارالعلوم کے مجمع میں فرمائی وہ اپنی نوعیت کی ایک انوکھی پر مغز، مختصر مگر نہایت جامع تقریر ہے جس کا خلاصہ اور ماحصل ہم ذیل میں قارئین کرام کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔

ہم اس انقلاب پر پورے ملک کو مبارکباد دیتے ہیں

بزرگان ملت علمائے کرام اور عزیز طلبائے دارالعلوم! آج کا مبارک دن ہندوستان کی تاریخ میں ہمیشہ یادگار رہے گا۔ ایک عظیم الشان سلطنت جس کے متعلق مسلم تھا کہ اس میں کسی وقت آفتاب غروب نہیں ہوتا اور جس کے بارے میں خود اس سلطنت کے ایک مغرور اور متکبر نمائندہ گلیڈ سٹون نے اپنے ایام زندگی میں کہا تھا کہ ہماری سلطنت آج اس قدر طاقتور ہے کہ اگر آسمان بھی اس پر گرنا چاہے تو ہم اسے بھی اپنی سنگینوں کی نوک پر

روک لیں گے اور وہ ہماری سلطنت کا کچھ بگاڑ نہ سکے گا۔ وہی سلطنت آسمان کے گرنے سے نہیں محض زمین کے چند ذرّوں کے اڑنے سے اس سہولت سے ختم ہو رہی ہے کہ تاریخ اس کی مثال پیش نہیں کر سکتی۔ ہم اس انقلاب پر پورے ملک کو مبارکباد دیتے ہیں پورا ملک عموماً اور خصوصیت سے وہ جوان اور بوڑھے اس مبارکباد کے مستحق ہیں جن کی قربانیوں اور مساعی نے یہ شیریں ثمر ہندوستان کے سامنے لا رکھا۔

اکابر امت اور جہاد آزادی

ناسپاسی ہوگی اگر اس موقعہ پر ہم ان اکابر ملت کی مساعی کا تذکرہ نہ کریں جنھوں نے حقیقتاً اس آزادی کا سنگ بنیاد رکھا اور اس وقت رکھا جب کہ آزادی کے تصور سے بھی اس ملک کے دل و دماغ خالی تھے اور وہ شاہ ولی اللہ کے جانباز شاگردوں کی مجاہد جماعت ہے جو دو سو برس سے اس سعی میں نہ صرف قلم اور روشنائی سے بلکہ شمشیر اور خون سے اس کی راہ نوردی کر رہے تھے۔ آخر میں ۵۷ء کے بعد جب انگریزی اقتدار مکمل ہو کر پوری طرح اس ملک پر چھا گیا تو صرف یہی ایک جماعت تھی جس نے آزادی کے تصور کو اس ملک میں زندہ رکھا اور بالآخر اسی تصور کا سب کو دیوانہ بنا کر چھوڑا ۵۷ء میں بانی دارالعلوم حضرت مولانا محمد قاسم صاحب قدس سرہٗ بقول حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی اس تصور کے سب سے بڑے حامل اور اس جوش کے سب سے بڑے امین تھے۔ انہوں نے اپنے شیخ حضرت حاجی امداد اللہ قدس سرہٗ کی قیادت میں تلوار اٹھائی اور آزادی کی راہ میں سرفروشی کے ساتھ میداں میں اترے لیکن وقت مقررہ نہیں آپہنچا تھا اس لئے فتح کا سلسلہ شاملی کی تحصیل تک رہ گیا اور دہلی کے تخت تک نہ پہنچ سکا۔ ملک آزاد نہ ہوا۔

لیکن یہ جماعت اپنے تصور سے الگ نہ ہوئی یہ وہ زمانہ ہے کہ اس وقت ہندوستان کی دنیا وفاداری کے جذبہ سے سرشار تھی۔ انگریزوں کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے قرآن سے آیات جہاد کو خارج کر دینے کے مشورے اور منصوبے قائم کئے جا رہے تھے۔ دیوبند کے لمبے کرتے والے مولویوں کا باغی نام رکھکر مطعون کیا جا رہا تھا لیکن یہ جماعت اپنی دھن میں تھی حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ اس دنیا سے گئے تو ان کے صحیح اور سچے جانشین حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب قدس سرہٗ نے جو ان کے علم اور نظریات کے جائز وارث تھے۔ اس پوری جماعت کی سرپرستی کے ساتھ

تحریک آزادی اس وقت جاری رکھی جب کہ انگریز کی مخالفت کا تصور بھی گھروں کے کونوں تک میں نہ تھا نہ صرف قلم یا زبان کی حد تک بلکہ عمل کے پردوں میں اور عمل بھی معمولی نہیں بلکہ ایسے ہمہ گیر عمل کے ساتھ جس کی لپیٹ میں ہندوستان کی متعدد ریاستیں اسلامی ممالک متعدد فرمانروا اور انگریزی فوجوں کے کتنے ہی افسر بھی آ گئے اس عمل کا جال ہندوستان سے گذر کر روس کی سرحدوں تک پہنچ گیا۔ مدینہ کے گورنر جمال پاشا کے قول کے مطابق شیخ الہند کی مٹھی بھر ہڈیوں اور مختصر سے جثے میں کیا کرامت رکھی ہوئی تھی کہ اس نے پوری دنیا اسلام کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ بہرحال ان بزرگوں کا جذبہ انگریزوں کے اقتدار کے خلاف نہ جاہ و منصب کے لئے تھا نہ وزارت کی کرسیوں کے لئے تھا نہ کسی ایک پارٹی کے اقتدار کے لئے تھا بلکہ صرف اس لئے تھا کہ ایک جابر قوم کی گرفت سے مظلوم ملک کو نکالا جائے اور حق بحقدار کے طور پر جس کی امانت ہو اسے سپرد کیا جائے۔

حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رح کی پیشین گوئی

ان بزرگوں کا ہر وقت یہی ذکر تھا اور یہی فکر اسی کے بارے میں پیشین گوئیاں اور مکاشفات تھے اور اسی کے بارے میں عام نظم اور انتظام چھتہ کی مسجد میں یہ سب بزرگ جمع تھے اور انگریزوں کے تسلط اور غیر معمولی طاقت کو دیکھ کر حضرت حاجی محمد عابد صاحب رح نے فرمایا کہ انگریزوں نے گھرے پنجے جمائے ہیں دیکھئے کس طرح اکھڑیں گے

اس پر حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رح نے جو دار العلوم دیوبند کے سب سے پہلے صدر مدرس اور شیخ الحدیث تھے فرمایا حاجی صاحب آپ کس خیال میں ہیں؟ وہ وقت دور نہیں جب کہ ہندوستان صف کی طرح لوٹ جائے گا۔ کوئی جنگ نہ ہوگی بلکہ بحالت امن وسکون یہ ملک صف کی طرح پلٹ جائے گا اور انقلاب ہو جائے گا۔ رات کو سوئیں گے ان کی عملداری میں اور صبح کریں گے دوسری عملداری میں۔!

لیکن آج دنیا نے آنکھوں سے دیکھ لیا کہ ۱۵ اگست کی رات کو لوگ حسب معمول دس گیارہ بجے سوئے تو انگریزوں کی عملداری تھی اور جب ۱۵ اگست کی تاریخ شروع ہوئی تو ٹھیک ۱۲ بجکر ایک منٹ پر دوسری عملداری تھی۔ سوئے ایک عملداری میں اور جاگے دوسری عملداری میں۔

میں آج کے جانبازوں کی ناقدری نہیں کرتا لیکن اس سے کسی حالت میں بھی نہیں ہٹ سکتا

کہ آج آزادی کی تمام مساعی ایک عمارت ہے جس کی بنیاد یہ بزرگ رکھ گئے تھے اور اس لئے میں ببانگ دہل کہہ سکتا ہوں کہ ہندوستان کی آزادی کی یہ جدوجہد صرف مسلمانوں نے شروع کی انھوں نے اِسے پروان چڑھایا۔ حضرت شاہ عبدالعزیزؒ نے انگریزوں کے خلاف فتویٰ دیا۔ ہندوستان کو دارالحرب قرار دیا حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ اور حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ نانوتوی نے اس فتوی کو استعمال کیا۔ اور اس نسخۂ شفا کو خاص ترکیب سے پیا اور پلایا۔ شیخ الہندؒ نے اسی نسخہ کو معجون مرکب کی صورت میں محفوظ کیا اور اس قابل کر دیا کہ ہر کس و ناکس اسے استعمال کر سکے۔ چنانچہ وہ استعمال عام شروع ہو کر عام ہو گیا۔ تحریک خلافت میں بھی نسخہ گو تلخ تھا مگر سب نے استعمال کیا اور بہر حال استعمال عام شروع ہو کر آزادی کا جذبہ مسلمانوں سے گذر کر ابناء وطن تک پہنچا وہ بھی سرگرم ہو گئے اور ہندو مسلمانوں کی انتھک مساعی اور قربانیوں کا ثمرہ شیریں آج ملک کی آزادی کی شکل میں ہمارے سامنے ہے جس پر ہم ایک دوسرے کو مبارک باد دیتے ہیں اور ان بزرگان مرحومین کے لئے دعاء خیر کرتے ہیں، جن کی تخم ریزی اور تردّد سے یہ درخت تناور ہوا اور آج اس کا پھل سب کھا رہے ہیں۔ ہندوستان کی آزادی تمام دنیائے اسلام کی آزادی ہے اسلئے ہماری مبارکباد کا دائرہ بھی وسیع سے وسیع تر ہے

ملکی آزادی کی پہلی قسط

ملک کی آزادی کی یہ پہلی قسط ہے اس کی دوسری قسط جون ۱۹۴۸ء میں سامنے آنے والی ہے۔ لیکن ان اکابر مرحومین کا مقصد اس سے بھی آگے ہے۔ ہمیں آزادی کی دوسری قسط اور پاک نصب العین کی تکمیل کا انتظار بھی کرنا چاہئے۔ اور اس کے لئے تیار رہنا چاہئے۔ ابھی کمر کھولنے کا وقت نہیں آیا ہے۔

ہماری مبارک باد کی مستحق ہندوستان و پاکستان دونوں سلطنتیں ہیں۔ ہم پاکستان کو مسلمان کی حیثیت سے اور ہندوستان کو وطن کی حیثیت سے مبارک باد دیتے ہیں۔ میں اس تصور کو ظاہر کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ ہندوستان میں مسلمان اب ایک معمولی اقلیت کی صورت میں رہ گئے ہیں اور آج کی آزادی میں جہاں ان کے لئے یہ انتہائی خوشی کا مقام ہے کہ انگریز کا دو سو سالہ اقتدار ختم ہو گیا جس کے لئے وہ بے چین تھے وہیں اس فکر کا موقعہ بھی ہے کہ ان کی حیات اجتماعی کی اس ملک میں اب کیا صورت ہو گی۔ اس کے لئے انھیں ابھی سے قدم اٹھانا چاہئے۔ شریعت مقدسہ کی روشنی میں صرف ایک ہی صورت ہے کہ وہ اپنے شرعی نظام کو قائم کرنے کے لئے اپنے میں سے کسی

امام اور متدین امیر کا انتخاب کریں۔ ہندوستان کی مسلم جماعتیں منتشر رہنے کے بجائے متحد ہو کر ایک ہو جائیں اور اسلام کے کلمہ پر ایک ہوں ایک امیر کے ماتحت شرعی زندگی بسر کرنے کا فیصلہ کریں نہ بھی طور پر ایک نہ ہوں بلکہ حقیقی طور پر ایک ہوں۔ اسی ایک جملہ میں ان کی حیات اجتماعی کی لمبی چوڑی تفسیر پنہاں ہے ان کے لئے سب سے مقدم یہ چیز ہے کہ ماضی کے واقعات فراموش کر دیئے جائیں ہم طعن و طنز کا سلسلہ ترک کریں ایک دوسرے پر الزام رکھنے کی فکر نہ کریں بلکہ صرف مستقبل کو سامنے رکھ کر اس پر غور کریں کہ انھیں متحد ہو جانے کے لئے اخوت و مساوات کی کتنی تدابیر ہو سکتی ہیں جو وہ آج عمل میں لا سکتے ہیں میرے خیال میں پہلے سے زیادہ اب وقت ہے کہ ہم متحد ہوں اور پہلے سے زیادہ اب امکانات ہیں کہ ہم متحد ہو سکیں۔ وہ پارٹیاں جن پر آویزشوں کی بنیادیں ہیں اس انقلاب سے منقلب ہو چکی ہیں اور حقیقتاً ہندوستان کے بدلنے سے وہ بھی بدل گئی ہیں۔ اس لئے اب بجائے اس کے کہ ہم نئی پارٹیوں کی بنیادیں رکھ کر اختلافات کی تخم ریزی کریں یہ مناسب بلکہ ضروری ہے کہ وحدت جماعت کا سنگ بنیاد رکھ ان تمام مسائل کو حل کریں جو نئے ہندوستان میں پیدا ہو گئے ہیں۔

میں آخر میں مکرر مبارک باد پر جو مسلمانوں کے لیے اور پورے ایشیا کے لئے ہے اس تقریر کو دعا پر ختم کرتا ہوں۔

تاریخ دار العلوم کی تدوین

دار العلوم دیو بند تمام ایشیا میں ایک بین الاقوامی مذہبی و دینی یونیورسٹی کی حیثیت رکھتا ہے جس میں تمام دنیائے اسلامی حجاز، عراق، شام، افغانستان، ہندوستان، پاکستان، کے ڈیڑھ دو ہزار طلبا کا ہمیشہ اجتماع رہتا ہے۔ اس حیثیت سے دار العلوم کی دینی و مذہبی مرکزیت تمام دنیا میں مسلم ہے۔ اگرچہ دار العلوم کے ابنائے قدیم جن کی تعداد بارہ ۱۲ ہزار فضلا سے متجاوز ہو چکی ہے تقریباً تمام دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں اور ان فضلا کا ہر ہر فرد دار العلوم کی ایک مجسم تاریخ کی حیثیت رکھتا ہے لیکن کتابی شکل میں آج تک دار العلوم کی کوئی مبسوط و مفصل تاریخ مرتب ہو کر شائع نہیں ہو سکی جس کی اس علمی تاریخی مذہبی ادارہ کے لئے سخت ضرورت ہے تاکہ تاسیس دار العلوم سے لیکر آج تک اس کی تدریجی ترقی کی تفصیلات، بانی دار العلوم حضرت شیخ الاسلام مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی قدس سرہ اور دیگر

اکابر علماء کرام فضلائے عظام کے علمی و عملی کارنامے دنیا کے سامنے کتابی شکل میں لائے جا سکیں متوسلین دارالعلوم کو اس ضرورت کا ایک عرصہ دراز سے احساس ہے اور ہمارے موجودہ مہتمم صاحب حضرت مولانا الحاج قاری محمد طیب صاحب مدظلہ العالی نے یہ اہم خدمت بعض ذمہ دار حضرات کے سپرد بھی فرمائی لیکن بقحوائے کل امر مرھون باوقاتہا ہر کام کے لئے ایک وقت معین ومقرر ہے اور کوئی کام مشیت ایزدی کے بغیر کبھی انجام پذیر نہیں ہو سکتا تقام مسرت ہے کہ ترتیب وتدوین تاریخ دارالعلوم کی دیرینہ تمنا کی برآری کا اب نہایت معقول اور اطمینان بخش انتظام اس طرح پر ہو گیا ہے کہ یہ اہم خدمت حضرت مہتمم صاحب مدظلہ نے اپنی مخصوص نگرانی و سرپرستی میں دارالعلوم کے ذمہ دار کارکن محترم جناب سید محبوب صاحب رضوی کے سپرد فرمائی ہے جو دارالعلوم کے ایک نہایت تجربہ کار سلیقہ شعار اور باہوش کارکن ہیں انشاء پردازی میں ذوق سلیم رکھتے ہیں اور تصنیف و تالیف سے فطری مناسبت رکھنے کے علاوہ دارالعلوم کی چوراسی سالہ تاریخ پر اپنے وسیع مطالعہ اور اکابر دارالعلوم کے فیضان صحبت سے کافی عبور رکھتے ہیں۔ سید صاحب موصوف نے حضرت مہتمم صاحب کے حکم کی تعمیل میں تاریخ دارالعلوم کا ایک اجمالی خاکہ مرتب فرما کر کام شروع فرما دیا ہے۔ یہ کام کس قدر اہم اور دشوار ہے اور اس کام کی تکمیل کیلئے کتنا عرصہ درکار ہوگا اس کا اندازہ ارباب ذوق سید صاحب موصوف کے مندرجہ ذیل مجوزہ عنوانات سے فرما سکتے ہیں۔

"تاریخ دارالعلوم دیوبند" کے مجوزہ عنوانات کی فہرست

باب اول:۔ دارالعلوم کا تاریخی پس منظر۔ ہمارا قدیم نظام تعلیم۔ ہندوستان میں قدیم تعلیمی نظام کی بربادی۔ تعلیمی نظام کی نشأۃ ثانیہ کے محرکات۔ دیوبند کا انتخاب۔ دارالعلوم کی تاسیس و قیام۔ دارالعلوم کا نصب العین۔ مصارف کا حل۔ اجتماعی اداروں کیلئے بانی دارالعلوم کا دستور العمل۔ بانی دارالعلوم۔ دیوبند کی اجمالی تاریخ۔

باب دوم:۔ دارالعلوم کی (۸۴ سالہ) تاریخ۔ سن وار حالات و سوانح۔ طلباء، چندہ، مصارف وغیرہ کا گوشوارہ۔ موجودہ طلباء اور اساتذہ کی تعداد۔ فضلائے دارالعلوم کی مجموعی تعداد۔ اوسط مصارف فی طالب علم۔

باب سوم:۔ نظام تعلیم۔ نصاب تعلیم۔ طریق درس۔ اوقات تعلیم۔ قواعد داخلہ و فراغ

قواعد امتحان - تعلیمی وظائف - تقسیم انعام - سند و دستار

باب چہارم :- نظم و نسق - آئین و ضوابط - شعبہ جات (جن کی تعداد ۱۸ ہے) اور ان کے وظائف کار -

باب پنجم :- اکابر دار العلوم - سلسلۃ السند - صدر مدرسین اور مہتممین کی سوانح و خدمات

باب ششم :- ترقی کے اسباب اور حوادث و سوانح - ترقی کے اسباب - بجٹ کی محیر العقول کامیابی - حوادث و سوانح -

باب ہفتم :- دار العلوم کے نتائج و ثمرات - عربی تعلیم کی غرض و غائت - ہند و بیرون ہند میں علمی اور تہذیبی اثرات - اساتذہ اور طلبا کا ایثار اور سادہ معاشرت فضلائے دار العلوم کے وظائف زندگی اور خدمات - درس کے ذریعہ اردو کی خدمت - دعوت و تبلیغ اور تحفظ دین کی مساعی - دار العلوم کی تقلید میں مدارس عربیہ کا قیام اور الحاق - دار العلوم کی تعلیمی و انتظامی خصوصیات قدیم و جدید درس گاہوں میں - دار العلوم کے متعلق مشاہیر عالم کے تاثرات

ایک دردناک حادثہ

مرکز علوم اسلامیہ دار العلوم دیوبند کے مذہبی و دینی حلقہ میں محترم عالی جناب حاجی محمد الدین صاحب کا نام نامی و اسم گرامی کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ حاجی صاحب موصوف ایک نہایت مخیر مخلص، صاحب ثروت، دردمند مسلمان ہیں اور مبدء فیاض نے موصوف کو خصوصیت کے ساتھ علماء و صلحاء امت اور طلبائے علوم دینی اور اسلامی اداروں کی امداد و اعانت کا فیاضانہ حوصلہ اور حاتمانہ جذبہ عطا فرمایا ہے۔

دار العلوم دیوبند کے ساتھ حاجی صاحب موصوف کو ایک والہانہ عقیدت و محبت ہے۔ جس کا اندازہ اس سے فرمایا جا سکتا ہے کہ حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دار العلوم نے جب کبھی دار العلوم کی کسی ضرورت کی طرف حاجی صاحب موصوف کو متوجہ فرمایا تو موصوف نے نہایت وسعت قلبی کے ساتھ مخلصانہ توجہ فرما کر بقدر ضرورت بڑی بڑی امدادی رقوم دار العلوم کو عطا فرمائیں۔ دار العلوم کے ایسے محسن کے متعلق اچانک جب ہمیں کلکتہ سے یہ دردانگیز خبر موصول ہوئی کہ حاجی صاحب موصوف کے فرزند دلبند جناب حاجی محمد حسین صاحب مرحوم عین

عالم شباب میں ۸ شعبان ۶۶ھ کو عالم فانی سے بجانب عالم جاودانی رحلت فرما گئے تو تمام متوسلین دارالعلوم کو بالخصوص حضرت مہتمم صاحب کو اس حادثۂ فاجعہ کا نہایت درجہ رنج وملال ہوا۔ انا للّٰہ وانا الیہ راجعون۔

اس خبر وحشت اثر کے پہونچتے ہی دارالعلوم میں ختم قرآن مجید ختم کلمہ طیب کا انتظام کیا گیا اور اس موقع پر ایصال ثواب سے قبل حضرت مہتمم صاحب نے ایک پر اثر تقریر میں دارالعلوم اور حاجی صاحب موصوف کے روابط وتعلقات کو بیان فرماتے ہوئے حاضرین سے دعاء مغفرت کی درخواست فرمائی، اور حاجی صاحب موصوف کی خدمت میں ایک تعزیتی خط ارسال فرمایا جس میں اپنے مخصوص عالمانہ وحکیمانہ انداز میں صبر واستقلال کی تلقین فرمائی۔ حقیقت تو یہ ہے کہ جوان بیٹے کی موت والدین کے لئے ایک بڑا ہی صبر آزما اور ہمت شکن حادثہ ہے ؎

اللہ دکھائے نہ الم نور نظر کا ۔۔۔ بہ جاتا ہے آنکھوں سے لہو قلب وجگر کا

مگر بہر حال دنیا گذشتنی وگذاشتنی جو آیا ہے اسے جانا ہے غم صرف آگے پیچھے کا ہے۔ ہماری دعاء ہے کہ اللہ تعالیٰ حاجی محمد حسین صاحب مرحوم کو جنت الفردوس میں مقام قرب عطا فرمائے اور ان کے غم زدہ والدین کو اس الم انگیز حادثہ پر صبر واستقلال کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

دوسرا حادثہ فاجعہ

ہر آنکہ زاد بناچار بایدش نوشید
ز جام دہر مے کل من علیہا فان

دیوبند کے رئیس اور صدر بلدیہ عالی جناب سید محمد محتشم صاحب معہ اپنے برادر حقیقی جناب سید محمد محترم صاحب کے ۱۱ اگست ۴۷ء کو کراچی تشریف لے گئے وہاں سے ۲ ستمبر کو دونوں حضرات ہوائی جہاز کے ذریعہ دہلی پہونچے چونکہ اس زمانہ میں دہلی اور سہارنپور کے درمیان چلتی ٹرین میں مسلمانوں پر منظم طریقہ سے حملے ہو رہے اور چند ہی روز قبل سکوتی ٹانڈہ اور مودی نگر کے اسٹیشنوں پر مسلمانوں کو بیدریغ قتل کیا جا چکا تھا اس لئے سیدین مرحومین نے اس لائین کے بجائے۔ ای آئی آر سے براہ مراد آباد سہارنپور سفر کرنا مناسب خیال کیا چنانچہ ۲ ستمبر کو ۴ بجے شام کے دہلی سے براہ غازی آباد۔ ہاپوڑ۔ مراد آباد کو روانہ ہوئے لیکن قضا وقدر کا فیصلہ پورا ہو کر رہا اور افسوس صد ہزار افسوس کہ سیدین مرحومین ہاپوڑ اور گجرولہ کے درمیان چلتی ٹرین میں شہید کر دیئے گئے گجرولہ

کے اسٹیشن پر مرحومین کی لاشیں اتاری گئیں اور وہیں تدفین عمل میں آئی۔ ۴ ستمبر کو اس حادثہ کی اطلاع دیوبند پہنچی اور بجلی کی طرح تمام شہر میں پھیل گئی اور ہزارہا آدمیوں کا ہجوم سید صاحب مرحوم کے مکان پر ہوگیا واقعہ کی تحقیق کے بعد ۵ ستمبر کی صبح کو ایصال ثواب کیلئے سید صاحب مرحوم کے مکان پر اہل شہر اور طلبائے دار العلوم نے ختم قرآن مجید اور ختم کلمہ شریف کر کے ایصال ثواب کیا اور دس بجے دن کے دار العلوم کے نودرہ میں ختم شریف کے بعد جلسہ تعزیت منعقد ہوا جس میں حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی مدظلہ العالی شیخ الحدیث دار العلوم نے ایک نہایت درد انگیز تقریر فرمائی جس میں ملک کے طول وعرض کے فسادات اور قتل وغارت کے واقعات پر مذہبی وتاریخی حیثیت سے روشنی ڈالتے ہوئے اور تمام اقوام ہند کے لئے اس کو نہایت خطرناک بتلاتے ہوئے سیدین مرحومین کے اوصاف حمیدہ کو وضاحت کے ساتھ بیان فرمایا اور ان کے مظلومانہ مقتول ہونے کو اسلامی روشنی میں موت شہادت قرار دیتے ہوئے علمائے طلبائے اور اہل شہر سے ایصال ثواب کی درخواست فرمائی۔

سیدین مرحومین کی شہادت کا واقعہ اہل دیوبند اور ضلع سہارنپور کے نہ صرف مسلمانوں بلکہ دیگر برادران وطن ہنود کے لئے بھی ایک تاریخی حادثہ جانکاہ ہے جس سے باشندگان دیوبند ضلع سہارنپور زمانہ دراز تک مغموم ومتاثر رہیں گے۔ سیدین مرحومین دیوبند کے باوقار اور ہر دلعزیز رئیس ہونے کے علاوہ عوام کے مرجع الامراء اور محبوب ترین رہنما تھے اور آپ کا دروازہ ہر امیر وغریب کے لئے بلا تفریق مذہب وملت ہر وقت کھلا ہوا تھا۔ دعا ہے کہ حق تعالیٰ سیدین مرحومین کو اپنے جوار رحمت میں مقام قرب عطا فرمائے اور ان کے جانشین محترم جناب سید محمد احتشام صاحب (فرزند اکبر سید محمد محتشم صاحب مرحوم) کو ان کا صحیح معنوں میں جانشین فرمائے ہم سیدین مرحومین کے تمام اہلبیت، متوسلین ومتعلقین کے اس درد وغم میں شریک ہیں

حیف در چشم زدن صحبت یار آخر شد ۔۔۔ روئے گل سیر ندیدیم وبہار آخر شد

تیسرا حادثہ جانکاہ

۴ صفر المظفر ۱۳۶۷ھ کو حیدرآباد سے یہ خبر وحشت اثر پہونچی کہ ۲۹ محرم الحرام ۱۳۶۷ھ یوم شنبہ کو عالی جناب نواب عبد الباسط خاں صاحب المخاطب نواب باسط یار جنگ بہادر رکن مجلس شوریٰ دار العلوم دیوبند عالم دنیا سے عالم عقبیٰ کو رحلت

فرما گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مرحوم دارالعلوم اور اکابر دارالعلوم کے حقیقی بہی خواہ اور مملکت دکن حیدر آباد میں اکابر دارالعلوم کے مرکز امور تھے ....

مرحوم کے انتقال پر ملال کی خبر موصول ہوتے ہی دارالعلوم کی درسگاہ کلاں میں ختم شریف اور ایصال ثواب کا انتظام ہوا۔ اور حضرت مہتمم صاحب مدظلہ نے اپنی اور تمام متوسلین دارالعلوم کی جانب سے نواب صاحب مرحوم کے فرزند ارشد جناب مولوی عبدالسلام صاحب کی خدمت میں مراسلۂ تعزیت ارسال فرمایا۔ دعا ہو کہ اللہ صاحب مرحوم کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے اور جملہ پسماندگان و متعلقین کو صبر جمیل ارزانی فرمائے!

چوتھا المناک صدمہ

محترم جناب مولانا محمد ابراہیم صاحب (فاضل دیوبند) پروفیسر جمالیہ عربک کالج مدراس کے ایک گرامی نامہ سے یہ معلوم کرکے بحد رنج و ملال ہوا کہ ویلور کے مدرسہ باقیات الصالحات کے صدر مدرس حضرت مولانا قاری عبدالرحیم صاحب رحلت فرما گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون مرحوم اپنے علم و فضل اور اخلاق فاضلہ کے لحاظ سے صوبۂ مدراس کے ستدین اور معتبر علماء میں سے تھے۔ دارالعلوم میں حضرت مرحوم کیلئے خاص طور سے دعاء مغفرت کرائی گئی

دارالصنائع دارالعلوم شاہراہ ترقی پر

دارالصنائع دارالعلوم سے امسال ۱۲ طلباء نے چرم دوزی اور صنعت تجلید سیکھ کر فراغت حاصل کی جن کو حضرت مہتمم صاحب دارالعلوم مدظلہ نے دارالصنائع کی جانب سے اسناد عطا فرمائیں دارالعلوم کی چوراسی سالہ تاریخ میں جن فارغ التحصیل علماء کو تکمیل دورۂ حدیث و تفسیر کی اسناد دارالعلوم کی جانب سے عطا کی جا چکی ہیں ان کی تعداد اب تک بفضلہ تعالی بارہ ہزار علماء و فضلاء سے متجاوز ہو چکی ہیں جو تمام دنیائے اسلام میں پھیلے ہوئے ہیں اور دین حنیف کی علمی مذہبی، تبلیغی و اصلاحی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

گذشتہ دو سال کا عرصہ ہوتا ہے کہ دارالعلوم میں شعبۂ صنعت و حرفت کا آغاز ہوا اور بحمداللہ اس کے بہتر و مفید نتائج سامنے آرہے ہیں اس وقت تقریباً چالیس طلباء دارالصنائع میں مختلف صنعتیں سیکھ رہے ہیں اور بارہ طلباء نے امسال صنعتی سند فراغت حاصل کی۔ فالحمدللہ

شعبۂ صنعت وحرفت کے قیام کا حقیقی منشا صرف اس قدر ہے کہ جو طلباء علوم دینیہ سے فراغت حاصل کریں وہ ساتھ ہی ساتھ کوئی مناسب صنعت سیکھ کر وسیلۂ معاش کی طرف سے بے فکر ہو کر دین حنیف کی خدمت آزادی اور اطمینان قلب کے ساتھ انجام دے سکیں۔

دار الصنائع کیلئے ایک شاندار عطیہ

چند ماہ کا عرصہ ہوتا ہے کہ بمبئی کے نیک دل اور ہر دلعزیز تاجر عالی جناب سیٹھ ولی محمد صاحب مالک روشن کمپنی بمبئی دار العلوم دیکھنے کیلئے دیوبند تشریف لائے۔ موصوف نے دار العلوم کے تمام شعبہ جات کو نہایت غور اور توجہ کے ساتھ ملاحظہ فرمایا اور اسی سلسلہ میں شعبۂ صنعت وحرفت کے صنعتی کاموں کا معائنہ بھی گہری دلچسپی کے ساتھ فرمایا۔ جس وقت سیٹھ صاحب موصوف دیوبند تشریف لائے تو اتفاق وقت سے حضرت مہتمم صاحب مدظلہٗ سفر میں تھے اس لئے حضرت مہتمم صاحب سے ملاقات نہ ہو سکی اور بمبئی پہونچنے کے کچھ عرصہ بعد موصوف نے حضرت مہتمم صاحب کی خدمت میں مراسلہ ارسال فرمایا جس میں مختلف صنائع کیلئے مشینیں اور ضروری سامان خریدنے کے لئے دس ہزار روپیہ کی گرانقدر رقم عطا فرمانے کا وعدہ فرمایا ہے اور ایک معلم صنعت کو دو سال کیلئے بحساب سو روپیہ ماہوار تنخواہ دینے کا ارادہ ظاہر فرمایا ہے حق تعالیٰ سیٹھ صاحب موصوف کے مخلصانہ عطیہ اور پر خلوص امداد کو شرف قبولیت عطا فرمائے اور دولت دارین سے مالا مال وشادکام فرمائے آمین

دار الصنائع کی عمارت

شعبۂ صنعت وحرفت کیلئے اب سب سے ضروری اور اہم سوال ایک مستقل عمارت کا ہے جس کیلئے مجوزہ نقشہ اور تخمینہ کے مطابق ۱۵ ہزار روپیہ کی ضرورت ہے امید ہے کہ بہی خواہان دار العلوم اور بالخصوص وہ حضرات جو آئندہ فضلائے دار العلوم کو دولت علم کے ساتھ ساتھ زیور صنعت وحرفت سے بھی آراستہ وپیراستہ دیکھنا چاہتے ہیں دار الصنائع کی عمارت کی تکمیل کی طرف خصوصی توجہ فرما کر عنداللہ ماجور رہوں گے۔

احقر
خلیق احمد صدیقی
مدیر ماہنامہ دار العلوم دیوبند

بعض جزئیات انقلاب مع اصلاح

اصلاح معاملہ بادائے حقوق معلم و متعلم و شریک تعلّم

ازاشرف العلماء حکیم الامۃ حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رح

علوم دینیہ کا جس طرح تعلیم و تعلم ضروری ہے اسی طرح اس تعلیم و تعلم کے سبب جن لوگوں کے ساتھ تعلقات ہوتے ہیں ان تعلقات کے حقوق کا اداکرنا بھی ضروری ہے اور یہ حقوق جس طرح فی نفسہا دلائل سے ضروری ہیں اسی طرح تجربہ سے ثابت ہوا کہ برکات علمیہ کے موقوف علیہ ہونے کے اعتبار سے بھی ضروری ہیں اور جن سے یہ تعلقات ہوتے ہیں وہ تین جماعتیں ہیں۔

اوّل معلمین یعنی اساتذہ۔ دوسرے متعلمین یعنی تلامذہ۔ تیسرے شرکاء فی التعلّم یعنی ہمدرس وہم سبق پس تینوں جماعتوں کے کچھ حقوق و آداب ہیں اور مثل دیگر اعمال کے ان میں بھی کم و بیش کوتاہیاں کی جاتی ہیں چنانچہ مشاہدہ ہے کہ بعضے تو استاد کے حقوق و آداب بھی ادا نہیں کرتے پھر ان میں بھی دو قسم کے ہیں بعض تو زمانہ تحصیل علوم میں بھی کوتاہیاں کرتے ہیں اور بعض اس زمانہ میں تو کسی قدر رعایت کرتے ہیں مگر بعد مفارقت پھر مطلق اس کا اہتمام نہیں کرتے اور جو زمانہ تحصیل علوم میں بھی کوتاہیاں کرتے ہیں یہ بھی دو قسم کے ہیں بعضے تو ظاہر حقوق میں بھی کوتاہی کرتے ہیں اور بعضے ایسا تو نہیں کرتے مگر جن حقوق و آداب کے سمجھنے میں کسی قدر سلیقہ کی حاجت ہے ان میں کوتاہی کرتے ہیں اور ان سب میں اکثر عدد وہ ہیں جو بعد مفارقت پھر استاد کو یاد نہیں رکھتے اور سب میں بدتر وہ بدنصیب ہیں جو کسی نفسانی مقتضی سے استاد کے مخالف ہوجاتے ہیں۔ یہ سب اقسام ان لوگوں کے ہیں جو استادوں کا حق ادا نہیں کرتے اور ان مضیعین حقوق اساتذہ سے زیادہ علد ہیں وہ حضرات ہیں کہ اپنی استادی کے ناز میں شاگردوں کا کوئی حق اپنے اوپر نہیں سمجھتے اور اپنے حقوق واجبہ سے گذر کر غیر واجب بلکہ غیر جائز کے ادا کے بھی متوقع و منتظر رہتے ہیں اور قالاً یا حالاً ان کا مطالبہ ان سے کرتے ہیں اور ان سے بھی زیادہ وہ لوگ ہیں بلکہ غالباً قریب قریب کل کے کل ایسے ہی ہیں کہ ہم سبقوں کے حقوق کا تو ان کے دل میں خطرہ بھی نہ گذرتا ہوگا گو

کہیں دوسرے اسباب سے باہم دوستی بھی ہو جاتی ہو لیکن یہ بات کہ محض اس علاقہ سے باہم ایک دوسرے کے کچھ حقوق اپنے ذمہ سمجھتے ہوں یہ بات بہت نادر بلکہ قریب معدوم ہے اور جب سمجھتے ہی نہیں تو سمجھ کر ادا کرنے کے اہتمام کا تو کیا ذکر ہے بلکہ بعض جگہ تو نہایت افسوس کی بات ہے کہ بجائے باہمی اخوۃ و وفاق و رعایت حقوق کے ایک طرف سے یا کہیں دونوں طرف سے بغض وحسد و خلاف و عقوق دیکھا جاتا ہے اس لئے ضرورت محسوس ہوئی کہ ان سب حقوق کی کچھ کچھ جزئیات بطور نمونہ کے لکھ دی جاویں خود ان جزئیات کے بیان میں انشاء اللہ تعالےٰ ایسے اصول ہاتھ آجاویں گے کہ ان اصول سے دوسری غیر مذکور جزئیات کا سمجھنا اور رعایت کرنا سہل ہو جاوے گا اور ہر چند کہ یہ تینوں قسم کے حقوق اور آداب میرے نزدیک فطری ہیں اگر ذرا بھی فطرت میں سلامتی ہو تو ان کے معلوم کرنے اور نیز عمل پر تقاضا کرنے کے لئے صرف وجدان کافی ہے لیکن اس خیال سے کہ شاید کسی احتمال پرست کو گمان ہو کہ مثل دیگر حقوق کے یہ حقوق شریعت میں منقول نہیں قرین مصلحت معلوم ہوا کہ اولاً نصوص کو نقل کر کے ساتھ ساتھ ان حقوق کی تقریر کرتا جاؤں اور حتی الامکان ترتیب کا بھی لحاظ رکھوں۔ اس طرح کہ اول حقوق استاد کے پھر شاگرد کے پھر ہمدرس کے بیان کروں اور حتی الامکان اس لئے کہا کہ ممکن ہے کسی نص سے دو یا تین جماعتوں کے حقوق مفہوم ہوتے ہوں تو خاص اس میں وہ ترتیب ملحوظ نہ رہے گی گو ایسا قلیل ہو گا۔

اور جاننا چاہئے کہ استاد عام ہے سبق پڑھانے والے اور پوچھنے پر مسئلہ بتلانے والے اور ابتداءً امر بالمعروف ونہی عن المنکر کرنے والے اور اصلاح نفس کے طریقے بتلانے والے یعنی پیر کو اسی طرح شاگرد عام ہے تلمیذ متعارف اور سائل عن الدین اور مرید کو اسی طرح ہمدرس عام ہے متعارف ہم سبق اور کسی عالم کی مجلس میں شرکت کرنے والوں اور پیر بھائیوں کو۔ اور ثانیاً بعد سوق نصوص کے بطور تفریع یا توضیع یا تفصیل یا تتمیم کے کچھ جزئیات کی بھی تقریر کر دوں کہ وہ بھی گویا اصل ہی کے ساتھ ملحق ہو گا۔

"حقوق و آداب معلم"

ایۃ لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ۔	البتہ احسان کیا اللہ تعالےٰ نے مومنوں پر
الی قولہ تعالےٰ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ الآیۃ	الی قولہ سکھلاتا ہے ان کو کتاب اور حکمت

اس آیۃ کریمہ میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نعمت بعثت پر منت ہونیکی علت میں تعلیم کتاب و حکمت کو ذکر فرمانا صاف دلیل ہے کہ جو شخص کسی کو دین کی تعلیم کرے وہ اس شخص کے حق میں نعمت الہی ہے اور اس کی قدر و تعظیم اس پر لازم ہے اور اس تعلیم میں سبق پڑھانا اور مسئلہ بتلانا وغیرہ سب داخل ہیں کہ یہ سب تعلیم کے طریقے ہیں حتی کہ کسی کی تصنیف سے منتفع ہوجانا اس قاعدہ سے اسکے شاگردوں میں داخل ہوجانا ہے اس کے حقوق بھی مثل استادوں کے ثابت ہوجاویں گے۔

آیۃ قَالَ لَهُ مُوسَىٰ هَلْ أَتَّبِعُكَ الی اخر القصۃ

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت خضر علیہ السلام سے کہا کہ کیا میں تمہارے

ان آیتوں میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام کا قصہ ہے ان سے چند حقوق و آداب ثابت ہوتے ہیں۔ اوّل استاد کی خدمت میں خود شاگرد جایا کرے انکو تکلیف نہ دے کہ آکر پڑھادیا کریں۔ دوم اگر استاد کسی اعتبار سے رتبہ میں کم بھی ہو تب بھی اسکا اتباع کرے۔ سوم جس بات کے پوچھنے کو وہ منع کرے نہ پوچھا کرے اسکی مخالفت یا اسکو تنگ نکرے۔ چہارم اگر کبھی غلطی سے اس کے مزاج کے خلاف کوئی بات ہوجاوے تو معذرت کرے۔ پنجم اس کے تنگ ہونے یا مرض وغیرہ سے کسل مند ہونے کے وقت سبق بند کردے۔

آیۃ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقُولُوا رَاعِنَا وَقُولُوا انظُرْنَا وَاسْمَعُوا الآیۃ۔

(اے لوگو جو ایمان لائے ہو مت کہو راعنا اور کہو انظار کرو ہمارا اور سنو)

اس آیۃ سے ثابت ہوتا ہے کہ استاد کے ساتھ گفتگو میں بھی ادب ملحوظ رکھے تا بمعاملات چہ رسد

آیۃ إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَإِذَا كَانُوا مَعَهُ عَلَىٰ أَمْرٍ جَامِعٍ لَّمْ يَذْهَبُوا حَتَّىٰ يَسْتَأْذِنُوهُ الآیۃ۔

جز این نیست کہ مومن وہ لوگ ہیں کہ اللہ تعالے اور اسکے رسول پر ایمان لائے اور جب ہوتے ہیں ساتھ رسول کے کسی اجتماعی بات پر تو نہیں جاتے جبتک اجازت نہ لیلیں

اس آیت سے استاد کا یہ حق ثابت ہوا کہ اسکی خدمت سے بلا اذن نہ جاوے خواہ اذن صراحۃ ہو یا دلالۃ

حدیث عن[ع] من صنع الیکم معروفا فکافئوہ فان لم تکافئوہ فادعوا لہ رواہ۔

(جو شخص تم پر احسان کرے اگر تم اس کی مکافات کرسکتے ہو تو کردو ورنہ اس کے لئے دعا کرو)

ع اس کا راوی اور مخرج ذہن میں محفوظ نہیں رہا من حفظہ فلیلحق مگر حدیث محفوظ ہے اور اس تمام مضمون کی احادیث مشکوۃ اور صحیح بخاری سے لکھی گئی ہیں صرف ایک حدیث ترغیب و ترہیب منذری سے ہے وہاں اسکا نام لکھدیا ہے

کیا کوئی شخص تعلیم دین کے معروف یعنی احسان ہونے سے انکار کر سکتا ہے جب اسکا احسان ہونا مسلم ہوگیا تو اس کی مکافات میں اسکی ہر قسم کی خدمت مال سے جان سے داخل ہوگئے جو حدیث ہذا میں مامور بہ ہے اور جب کسی قسم کی استطاعت نہ ہو یا مفارقت کے بعد بعض استطاعت نہ رہے تو اس وقت اقل درجہ دعا ہی سے یاد رکھنا ضرور ہے۔

حدیث عن ابی ھریرۃ رضؓ قال قال رسول اللّٰہ صلے اللّٰہ علیہ وسلم من لم یشکر الناس لم یشکر اللّٰہ رواہ احمد والترمذی۔

(جس شخص نے آدمیوں کا شکر ادا نہ کیا اس نے اللہ تعالیٰ کا شکر نہ ادا کیا۔)

اِس حدیث کے عموم میں اُستاد بدرجۂ اولیٰ داخل ہے کہ بہت بڑی نعمت یعنی علم دین کا واسطہ ہر اس کی حق شناسی میں کوتاہی کرنا بنص حدیث حق تعالیٰ کی ناشکری ہے جس کا محل وعید ہونا نص قطعی سے ثابت ہے قال تعالیٰ لَئِنۡ شَکَرۡتُمۡ لَاَزِیۡدَنَّکُمۡ وَلَئِنۡ کَفَرۡتُمۡ (مقابل شکرتم) اِنَّ عَذَابِیۡ لَشَدِیۡدٌ الآیۃ

یہ حدیثیں تو بعموم مدعا پر دال ہیں آگے خصوص کے ساتھ دلالت کرنے والی احادیث منقول ہیں۔

حدیث عن معاویۃ قال ان النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم نھی عن الاغلوطات رواہ ابوداؤد

(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (علوم میں) مغالطہ دینے سے منع فرمایا۔)

اس سے ایک ادب استاد کا ثابت ہوا وہ یہ کہ بعض طلبہ کی عادت ہے کہ خواہ مخواہ کتاب میں احتمالات نکال کر استاد کے سامنے بطور اعتراض پیش کیا کرتے ہیں اور خود بھی سمجھتے ہیں کہ یہ مہمل اعتراض ہیں مگر اپنی ذہانت جتلانے اور استاد کا امتحان کرنے کے لئے ایسی نامعقول حرکت کرتے ہیں تو ظاہر ہے یہ مغالطہ ہوا کہ ظاہر کیا جاتا ہے کہ یہ مقام مشتبہ ہے حالانکہ خود اپنے نزدیک بھی مشتبہ نہیں اور اسی سے شاگرد کا بھی ایک حق ثابت ہوگیا وہ یہ کہ بعض مدرسین کی عادت ہے کہ کسی مقام پر خود بھی شبہ ہے مگر شاگرد پر ظاہر نہیں کرنا چاہتے کچھ گڑھ مڑھ کر تقریر کر دیتے ہیں گویا اُسکو دھوکہ دیتے ہیں کہ اس مقام کی یہی تقریر ہے حالانکہ خود اپنے کو بھی یہ اطمنان نہیں۔

ف اگر تم شکر کروگے تو ہم اور زیادہ دینگے اگر تم کفران نعمت کروگے تو یاد رکھو ہمارا عذاب شدید ہے ۱۲ منہ

(باقی آئندہ)

التماس	خریداران و معاونین سے التماس ہے کہ خط و کتابت میں نمبر خریداری کا حوالہ ضرور دیں ورنہ جواب سے معذور تصور فرمائیں۔

احقر
مدیر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ہزار سال پہلے

"ہندو چین" اور عام اسلامی ممالک مسلمان سیاحوں کی نظر میں

(از حضرت مولانا مناظر احسن صاحب صدر شعبہ دینیات عثمانیہ یونیورسٹی حیدر آباد دکن)

"پچھلے دنوں بعض دوسری ضرورتوں سے مسلمان جغرافیہ نویسوں کی کتابیں جو عربی زبان میں ہیں اور عموماً یورپ سے شائع ہوئی ہیں خاکسار کی نظر سے گذریں۔ ان کتابوں میں ہندوستان چین اور بعض اسلامی ممالک کے متعلق بعض دلچسپ معلومات ملی ہیں ان کو نوٹ کرتا جاتا تھا۔ یہی نوٹ مضمون کی شکل میں شائع کیا جاتا ہے۔"

مناظر احسن گیلانی

ہندوستان ہندوستان کے لحاظ سے یہ وہ زمانہ ہے کہ دار الاسلام بنا کر مسلمانوں کے بسانے کے لئے اس ملک کا فاتح ابھی کفر کے آغوش اور کفر کے اصلاب میں محو خواب تھا۔ میری مراد سلطان شہاب الدین محمد سام الغوری انار اللہ برہانہ ہے۔ ابن حوقل جو میرے اس مضمون کا سب سے بڑا ماخذ بلکہ محرک ہے ۳۳٦ھ میں پیدا ہوا یعنی چوتھی صدی ہجری کا مصنف اور سیاح ہے، وہی سلطان مرحوم کے مرز و بوم غور کے متعلق لکھتا ہے۔

اما الغور فانها دار کفر تذکرها فی الاسلام لان بها مسلمین

باقی غور تو یہ ابھی کفر ہی کا علاقہ ہے۔ اسلامی ممالک کے سلسلہ میں اس کا ذکر میں اس کر رہا ہوں کہ کچھ مسلمان اس علاقہ میں بھی پائے جاتے ہیں۔

اور گو مہم سندھ کے نام سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پندرہ سال بعد ہی ایک مہم ہندوستان کی طرف مسلمانوں کی روانہ ہو چکی تھی لیکن باوجود اس کے ابن حوقل کے زمانہ تک ہندوستان کے متعلق مسلمانوں کے معلومات اور تاثرات کا حال یہ تھا۔ جیسا کہ ابن حوقل ہی نے سندھ اور اطراف سندھ کچھ ملتان اور اُس کے آس پاس کے قصبوں اور شہروں کا ذکر کر کے جن کے نام اب قریب قریب محو ہو چکے ہیں یہ لکھا ہے کہ:

وهذه مدن الهند التی عرفتها ولها بواطن واماکن کفرزان وقنوج فی المفاوز وهی کلمطه واوذغشت فی اقطارنائیه واماکن سحیقه لا یصل الیها تاجر الامن اهلها لانقطاعها وکثرة الآفات القطوعة مقاصدها

ص ۳۲۷

میں ہندوستان کے شہر جنھیں میں جان سکا ہوں اور ان کے سوا ملک کے اندرونی علاقے بھی ہیں، مثلاً فرزان، قنوج جو ریگستانوں کے اندر ہیں۔ ان کی حالت بجنسہ مغربی افریقہ کے دور دست علاقوں کی ہے یعنی لمطہ اوذغشت وغیرہ ہندوستان کے ان اندرونی شہروں میں کوئی تاجر نہیں پہنچ سکتا۔ البتہ اگر خود ان ہی ہندوستانیوں میں ہوا تو اس کی رسائی ہوسکتی ہے وجہ یہ ہے کہ (اسلامی ممالک سے) ہندوستان کے یہ اندرونی شہر بالکل منقطع ہیں۔ اور راستہ میں بکثرت ایسی آفتوں سے ان لوگوں کو دوچار ہونا پڑتا ہے جو اندرون ملک کے ان شہروں کا ارادہ کرتے ہیں۔

فرزان کے متعلق تو نہیں کہہ سکتا کہ کس شہر کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔ واللہ اعلم اب اس نام کی کوئی آبادی کہیں موجود بھی ہے یا نہیں۔ البتہ قنوج کو ابن حوقل جانتا ہے۔ مگر کیا جانتا ہے؟ ”المفاوز“ یعنی صحرا رسندھ کے درمیان کا ایک شہر اس کو بتاتا ہے خیال گذرتا ہے کہ سندھ تک تو مسلمان یلغار کر کے پہنچ گئے، حالانکہ یہاں تک بھی پہونچنا آسان نہ تھا۔ کرمان سے مکران تک عظیم ”مفازہ“ یعنی ”صحرا ریگ“ کو عبور کر کے وہ یہاں تک پہنچے تھے۔ مگر کچھ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے اندلس پہنچ کر موسیٰ بن نصیر فاتح افریقہ نے بحر محیط کو مخاطب کر کے کہا تھا کہ تیری موجیں اجازت نہیں دیتیں ورنہ اللہ کا کلمہ بلند کرتے ہوئے میں آگے ہی بڑھتا چلا جاتا۔ لیکن مجبوراً واپس ہوتا ہوں (اوکما قال)

کچھ اسی طرح جنوب میں بحر عرب اور بحر ہند کی موجیں شمال میں ہمالہ کی بلند چوٹیاں، سامنے ایک لق ودق ریت اور بالو کا غیر آباد صحرا، اسی کو دیکھ کر آگے بڑھنے کی ہمت مدتوں ان میں پیدا نہیں ہوسکی ماسوا اس کے جیسا کہ ابن حوقل نے بھی اشارہ کیا ہے، کہ اس ملک میں وہی تاجر داخل ہوسکتا ہے جو ان ہی میں سے ہو۔ چھوت چھات جات پات کے مسئلہ نے ہندوستان میں مسافروں کیلئے کوئی گنجائش باقی نہ چھوڑی ہوگی۔ بلکہ الہمدانی جو تیسری صدی ہجری کا مصنف ہے کے بیان سے تو معلوم ہوتا ہے کہ یاروں نے بعض عجیب وغریب ڈراونی باتیں بھی مشہور کر رکھی تھیں۔ اس نے ایک موقعہ پر لکھا ہے،

وبین خراسان وارض الھند نمل مثل الکلاب السلوقیہ [۱] (ابن الفقیہ الہمدانی)	خراسان اور ہندوستان کے درمیانی راستہ میں ایک قسم کی چیونٹیاں ہیں جو تازی کتوں کے برابر بڑی ہوتی ہیں۔

پھر ان کی تفصیل بھی لکھی ہے کہ کس طرح لوگوں پر حملہ کرتی ہیں اور ان کے حملہ سے بچنے کی تاجروں نے کیا صورتیں اختیار کر رکھی ہیں۔

بہر حال ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ابن حوقل کے زمانہ تک سندھ و ملتان اور اس سے بھی جو بالائی علاقے ہیں۔ نیز ساحل سمندر کی بندرگاہیں اور ساحل کے قریب کے شہروں سے تو مسلمان خوب واقف تھے وہ سندھ کے مرکزی شہر منصورہ جس کا نام سندھیوں کی زبان میں برعن آباد تھا تفصیل سے ذکر کرتا ہے۔ وہاں کے امیر کا عام باشندوں کا، ان کے طرز رہائش کا، موسم کا، پیداوار کا، سب ہی کا تذکرہ اس نے کیا ہے۔ مسلمانوں کا جو خاندان اس کے زمانہ میں منصورہ کا امیر تھا۔ اس کے متعلق ابن حوقل نے لکھا ہے، کہ

---

[۱] ہندوستان کے متعلق جہاں تک سننے میں آیا ہے، اس وقت تک یورپ کے عوام میں اسی قسم کی باتیں مشہور ہیں۔ مختلف حضرات جو یورپ سے تعلیم پاکر واپس آئے ہیں۔ ان سے معلوم ہوا کہ عام طور پر لندن تک کے عوام عموماً دریافت کرتے ہیں کہ آخر ہندوستانی سانپوں اور شیروں کے درمیان کیسے رہتے ہیں، میرے ایک دوست جو جامعہ عثمانیہ میں سائنس کے استاذ تھے، وہ کہتے تھے کہ میں بھی ان کو باور کراتا رہتا تھا کہ شام ہوتے ہی ہم لوگ اپنے دروازے بند کر لیتے ہیں۔ اتفاقاً کسی دن دروازہ کھلا رہ جاتا ہے تو شیر ہمارے بچوں کو اٹھا کر لے بھاگتے ہیں اور سانپوں کا تو یہ حال ہے کہ ہم لوگ پلنگ پر لیٹتے ہیں کہ بکثرت سوراخوں سے سانپ نکل نکل کر ادھر ادھر صحن میں ٹہلنے لگتے ہیں۔ سر راس مسعود مرحوم بھی اپنا ایک قصہ کہتے تھے غالباً لندن ہی کا کہ عورتوں اور مردوں کا ایک مجمع تھا۔ مجھے خدا جانے کیا سوجھی کسی کے پوچھنے پر میں نے کہا کہ جس حال میں آپ لوگ مجھے دیکھ رہے ہیں۔ اس پر میرے بزرگوں کو قیاس مت کیجئے۔ واللہ اعلم ان کا بیان تھا کہ میں نے ان کو جب باور کرایا کہ پہلے آدمی جو درخت سے اتر کر زمین کی زندگی گذارنے کے عادی ہوئے۔ وہ میرے دادا تھے۔ ورنہ ان سے پہلے سب درختوں ہی پر رہتے تھے تو لوگ چاروں طرف سے جمع ہو کر بطور تماشا کے مجھے دیکھنے لگے۔ یعنی ایک ایسے آدمی کو دیکھ رہے تھے جس کی کل دو پشت زمین پر رہنے کی عادی ہوئی ہے۔

وملكهم من قريش من ولد هبّار ابن الاسود قد تغلب عليها احد اده وساسوهم ساسبة اوجبت رغبة الرعية فيهم وايثارهم على من سواهم غير ان الخطبة (يعني العباس) ص ۲۲۸

ان کا بادشاہ قریشی نسل سے ہے۔ ہبار بن اسود کی اولاد ہے اس شہر پر اس قریشی بادشاہ کے بزرگوں نے قبضہ جما لیا تھا تھا اور پھر وہاں کے باشندوں پر ایسی حکومت ان لوگوں نے کی جسکی وجہ سے رعیت ان کی طرف مائل ہو گئی اور دوسروں پر ان لوگوں کو وہاں کے باشندہ ترجیح دینے لگے۔ البتہ خطبہ اس شہر میں عباسیوں ہی کے نام سے پڑھا جاتا ہے۔

یہ بھی لکھا ہے کہ مسلمانوں کا عام لباس تو اس ملک میں وہی ہے جو عام عراق والوں کا لباس ہے لیکن صرف شاہی خاندان کے لوگ۔

يقارب زيهم زي ملوك الهند في الشعور واحقر الطوق ص ۲۲۸

بال اور کرتے ان کے ہندوستان کے راجگان کی وضع کے قریب قریب ہیں۔

اسی طرح اس نے ملتان کا تذکرہ بھی بڑی تفصیل سے کیا ہے، لکھا ہے کہ مسلمان اس شہر کو "فرج بیت الذہب" کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ یعنی "سونے کے گھر کا شگاف" گو وجہ تسمیہ اس کی ابن حوقل نے یہ بتائی ہے کہ

لانها فتحت في اول الاسلام وكان بالمسلمين ضيق وقحط فوجدوا فيها ذهبا كثيرا فاتسعوا

ملتان اس زمانہ میں فتح ہوا تھا جب اس ملک میں اسلام ابتداءً داخل ہوا تھا۔ اس وقت مسلمان سخت تنگی میں مبتلا تھے اور قحط کے شکار ہو گئے تھے، ملتان جب فتح ہوا تو سونے کا ایک بڑا ذخیرہ ہاتھ آیا جس سے فراغ بالی پیدا ہو گئی۔

لیکن ممکن ہے کہ "ہندوستان سونے کی چڑیا" ہے شاید اسی کا ترجمہ مسلمانوں نے ان الفاظ میں کر لیا ہو۔ اسی کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے زمانہ تک اس تمام علاقے میں یعنی سندھ ملتان وغیرہ میں زیادہ تر بدھ مت کے پیرو آباد تھے۔ وہ چند مجہول الاسم شہروں کو نام لیکر لکھتا ہے کہ

فمن صيمور وقامهل من بلد الهند ومن قامهل الى مكران فلتبن هنة و..... و الكفار في حدود السند هم البد..... والبدهم

صیمور اور قامہل جو ہندوستان کے ساحلی شہر ہیں۔ قامہل سے مکران تک بدھ لوگ آباد ہیں۔ اسی طرح سندھ کے علاقوں میں بدھ ہی آباد ہیں اسی طرح طوران مکران ملتان میں

قبائل لقرشة مابين حد طوران و ومكران والملتان ومدن المنصورة ۲۲۳ | بدھ قبائل کے لوگ پھیلے ہوئے ہیں۔

طوران مکران ہی کے قریب بلوچستان کے کسی علاقہ کا نام تھا۔ لکھا ہے کہ اس کا امیر بھی الگ ہے جس کا نام ابوالقاسم البصری ہے ایسے ہی ملتان میں بھی لکھتا ہے، کہ

ابرهم قرشی من ولد اسامه بن لوی قد تغلب علیها اولوه ۲۲۳ | ملتان کا امیر بھی ایک قریشی ہے۔ اسامہ بن لوی کی اولاد میں ہے۔ ملتان پر اس کے بزرگ قابض ہو گئے تھے۔

پنجاب میں "قریشی یا قرشی" کی نسبت اپنے ناموں کے پیچھے استعمال کرنیوالے حضرات کیا ان ہی سندھی وملتانی سلاطین وامراء سے کوئی نسبی تعلق رکھتے ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب، اسی ملتان کے سلسلہ میں اسی ابن حوقل نے یہ بھی لکھا ہے کہ وہاں ایک عظیم اور بہت بڑا بت خانہ ہے جس میں ایک دیو ہیکل مورتی ہے۔ غالباً یہ بدھ[۱] ہی کا بت ہے۔ دوسری کتابوں میں بھی "البد العظیم" کے نام سے مورخین نے ملتان کے اس بت کو موسوم کیا ہے۔ اس بت کا پورا نقشہ اور حلیہ بھی ابن حوقل نے کھینچا ہے۔ دلچسپ دو باتیں لکھی ہیں ایک تو وہی جو سلاطین اسلام کا ہندوستان کے باشندوں کے ساتھ دوامی سلوک[۲] رہا۔ یعنی اسی بت کا ذکر کرکے رقمطراز ہے۔

وامیر الملتان ینفق علی السدنه منه ۲۲۹ | جو آمدنی امیر ملتان کو ہوتی ہے اس میں سے وہ اس بتخانے کے پجاریوں پر بھی خرچ کرتا ہے۔

اور دوسرا لطیفہ جو اس نے لکھا ہے وہ یہ ہے کہ گو ہندوستان کی لامحدود مخلوق کے مقابلہ میں اس امیر ملتان کے پاس کوئی ایسی فوجی قوت نہیں ہے۔ جس سے حملہ کرنیوالوں کی وہ مدافعت کرسکتا ہو، لیکن ترکیب یہ اس نے اختیار کر رکھی ہے کہ

اذا قصدهم الهند للحرب وانتزاع هذا الصنم | جب ہندوستان کے باشندے ملتان کے اس مسلمان امیر کی طرف جنگ کے ارادہ سے حملہ کرتے ہیں اور اس مورتی کو

---

[۱] ابن اثیر میں ہے کل ما یعبد فهو عندهم بد (ہر وہ چیز جو پوجی جاتی ہے ہندوستانیوں کے یہاں "بد" کہلاتی ہے) بعضوں کا یہ خیال ہے کہ "بت" لفظ اسی بدھ ہی کا ایک تلفظ ہے۔ میرے خیال میں بھی قابل قبول ہے، مگر دلچسپ قول اس خیالی "بد" کے متعلق ابن اثیر نے یہ نقل کیا ہے کہ بعض لوگ خیال کرتے ہیں کہ حضرت ایوب کی مورتی یعنی صنم یا مجسمہ ہے ۱۲

[۲] یہی دوامی اور عام سلوک جسے یاد کر کے بے ساختہ میری زبان پر شاعر کا یہ شعر جاری ہو جاتا ہے ۱۲

ہم نے جب ہوش سنبھالا تو سنبھالا تم کو — تم نے جب ہوش سنبھالا تو سنبھلنے نہ دیا (رنگین ٹونکی)

منهم الى الصنم فاظهروا كسره واحراقه فيرجعون ولو ذلك لخربوا الملتان

(جو ملتان میں تھی) اس سے چھین لینا چاہتے ہیں تو مسلمان اس مورتی کے پاس آکر کچھ ایسی حرکتیں کرتے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ (پڑھنے والے اگر آگے بڑھے تو) ان کے اس بت کو وہ توڑ پھوڑ کے رکھدیں گے اور جلادیں گے (اس حال کو دیکھ کر) زغہ کرنیوالے واپس ہوجاتے ہیں۔ اگر ایسی صورت نہ ہوتی تو ملتان کو ہندوستان والے تباہ و برباد کر چکے ہوتے۔

پھر آگے پیچھے خدا جانے کتنے شہروں کے نام اس نے لئے ہیں۔ مثلاً قلری، بکری اتری سواہی بانیہ وغیرہ اور عجیب بات یہ لکھی ہے کہ

ولسان اهل المنصورة والملتان ونواحيها العربية والسندية[۲۳۲]

منصورہ اور ملتان اور جو علاقے ان کے آس پاس ہیں ان کی زبان عربی اور سندھی ہے

گویا یوں سمجھنا چاہیئے کہ عربی زبان ہندوستان کے سندھی خطہ تک پہونچ چکی تھی۔

پھر مکران کا تذکرہ کرکے بتایا ہے کہ وہاں بھی ایک الگ امیر ہے جس کا نام عیسیٰ بن معدان ہے۔ پایہ تخت کا نام اس کے کیز ہے، شاید اسی کو آج کل کوئٹہ کہتے ہیں۔ پھر آگے قندابیل وغیرہ نامی شہروں کا ذکر کرکے یہاں بھی یہی بتاتا ہے کہ "فيه مسلمون وكفار من البده" (یعنی اس علاقے میں بھی مسلمان اور بدھ متی والے رہتے ہیں۔) جس سے معلوم ہوتا ہے کہ چوتھی صدی ہجری تک یہ سارا علاقہ بدھ مذہب والوں سے بھرا ہوا ہے اور غالب قرینہ یہی ہے کہ بتدریج ان ہی بدھوں نے اسلام قبول کیا ہے[۱]۔ اور سب سے دلچسپ چیز اس نے کابل

---

[۱] بدھ مذہب والوں کا اسلام سے عجیب تعلق ہے واقعہ یہ ہے کہ وسط ایشیا کا سارا علاقہ کابل، قندھار، سندھ، سرحد اسلام سے پہلے ان کے باشندے عموماً بدھ متی کے پیرو تھے پھر بالکل سمجھ میں نہیں آتا کہ اسلام کے آنے کے ساتھ ہی بغیر کسی کشمکش کے اچانک انھوں نے اسلام قبول کرلیا۔ آج تک دنیا کو اس پر حیرت ہے البلاذری نے تو تصریح کی ہے کہ کچھ نہیں معلوم کہ یہ کیسے مسلمان ہوئے گو بعض جستہ جستہ واقعات تاریخوں میں ملتے ہیں لیکن بالکل ناکافی مسٹر ارنلڈ نے بھی یہاں پہنچکر اپنی مشہور کتاب پریچنگ آف اسلام میں سپر ڈالدی ہے۔ میرا اس باب میں ایک خاص نظریہ ہے جسکی طرف اپنی کتاب النبی الخاتم میں میں نے بعض اجمالی اشارے بھی کئے ہیں۔ کاش کوئی اس مضمون کو اپنی تحقیقاتی جدوجہد کا موضوع بناتا بڑے بڑے اسرار اس پر فاش ہوسکتے ہیں۔ تاتاری بھی عموماً بودھسٹ تھے میں تو خیال کرتا ہوں کہ چین اور خصوصاً جاپان کے بودھوں میں کام نہیں کیا گیا۔

(باقی اگلے صفحہ پر)

کے متعلق لکھی ہے میں ابن حوقل ہی کے الفاظ میں نقل کرتا ہوں۔

ویزعمون ان الشاهیة لا یستحقها الملك الا بان یعقد له الملك بکابل وان کان منها علی بعد فیستحق ذلك بالمصیر الیها وعقد الشاهیة له هناك علی شروط کانت لهم قدیمة وبقی الیسیر والتمسك بالقلیل ص۳۲۸

ان لوگوں کا خیال ہے کہ بادشاہ بادشاہی کا مستحق اس وقت تک نہیں ہوتا جب تک کہ کابل میں جو بادشاہ ہے وہ اس کی بادشاہی کو تسلیم نہ کرلے خواہ وہ بادشاہ کتنے ہی دور دراز مقام ہی پر کیوں نہ رہتا ہو، بہرحال جب تک کہ شاہ کابل کے پاس پہنچ کر اور اس سے شاہی کو اپنے لئے تسلیم نہ کرالے بادشاہ نہیں ہوسکتا۔ یہ رسم خاص مقررہ شروط کے ساتھ وابستہ ہے اور قدیم سے اس کا رواج چلا آرہا ہے کچھ تھوڑی باتیں اب بھی باقی ہیں اور بعض باتوں پر عمل در آمد بھی ہے۔

گو میں خود ابن حوقل کی اس عبارت کا مطلب صحیح طور پر سمجھ نہیں سکا۔ کہاں کی بادشاہی؟ سندھ کی؟ ہند کی؟ ایران کی؟ خراسان کی؟ یا ان سارے ممالک کی؟ سمجھ میں نہ آیا کہ مراد کیا ہے۔ بہرحال کچھ بھی ہو، اس سے اتنا تو ضرور معلوم ہوتا ہے کہ کسی نہ کسی حیثیت سے کابل اور کابل کے بادشاہ کو کسی قسم کی خاص اہمیت اس زمانہ تک حاصل تھی۔ اسی قسم کی اہمیت جیسے بغداد کا خلیفہ اسلامی بادشاہوں کے مقابلہ میں کسی زمانہ میں رکھتا تھا۔ حتی کہ ہندوستان تک کے اسلامی سلاطین حکومت کرنیکا صحیح حقدار اپنے آپ کو نہیں سمجھتے تھے جب تک کہ عباسی خلیفۃ المسلمین سے بادشاہت کی سند ان کو عطا نہیں ہولیتی تھی۔ کون کہہ سکتا ہے کہ تاریخ اپنے اوراق کو الٹتے ہوئے پھر اسلامی ممالک کے درمیان کابل اسی اہمیت کو حاصل کرلے اور حالات کا جو رخ ہے خواہ ابھی اس کی رفتار محسوس نہ ہو یا محسوس ہو لیکن کوئی تعجب نہیں ہے کہ خلافت اسلامی کا مقام جیسے مدینہ منورہ سے دمشق، دمشق سے بغداد، بغداد سے مصر، اور مصر سے قسطنطنیہ پہونچا۔ آخری ٹھکانا اس خلافت کیلئے

(پچھلے صفحہ سے) اس وقت بڑا نادر موقع آگیا ہے۔ انانیت کا بت جاپانیوں کے ٹوٹ چکا ہے۔ انگریزی زبان سے وہ اتنے قریب ہو چکے ہیں کہ اسی زبان کو ذریعہ بنا کر ان کو اس آڑے وقت میں اسلام کی دعوت دیکر آدمی بنایا جا سکتا ہے۔ بلاشبہ وہ آدمی بننے کا حق رکھتے ہیں۔ وسط ایشیا کے متعلق یہ خیال کہ فوجی حملوں سے وہ مسلمان ہوئے مختلف وجوہ سے غلط ہے ابھی خود کابل کا حال آپ پڑھ چکے کہ چوتھی صدی تک کفر پر وہ مصر رہا لیکن اسلام کی تلوار نے مسلمان ہونے پر اس کو چارسو سال تک مجبور نہیں کیا۔ حالانکہ چاروں طرف ان کے مسلمان ہی مسلمان تھے ۱۲

جس کے لئے افسوس اس وقت کہیں ٹھکانہ نہیں ہے کابل ہی ہو۔ ابن حوقل ہیں جس وقت سے اس فقرے کو میں نے پڑھا ہے۔ یہ سوچ کر کہ تاریخ اپنے واقعات کو دہراتی ہے بار بار اس کا خیال دماغ میں چکر لگا رہا ہے، آخر کیا تعجب ہے کہ چوتھی صدی تک جو غور کفر پر مصر تھا۔ اسی غور سے اٹھانے والے نے اس مسلمان غازی کو اٹھایا جس نے ایک ایسے ملک کو اسلام کی سب سے بڑی آبادی بنا دی جہاں چوتھی صدی تک مسلمان تاجروں کی حیثیت سے بھی داخل نہیں ہو سکتے تھے' اسی ابن حوقل کی کتاب کے حاشیہ میں ایک اور عبارت ہندوستان کے متعلق منقول ہے جس کا ترجمہ ہے

گو ہندوستان کے بعض حصوں کے مسلمان مالک ہو چکے ہیں' پھر بھی یہ اتنا وسیع اور لق و دق ملک ہے کہ اس میں تاجر بن کر بھی کوئی داخل نہیں ہو سکتا۔ جب تک کہ وہ ان ہی میں سے نہ ہو۔ دوسرے آدمی کیلئے اس ملک میں سفر کرنا ناممکن ہے۔ کیونکہ راستے میں بکثرت رکاوٹوں سے سامنا کرنا پڑتا ہے۔"

بہر حال ذکر کابل کا ہو رہا تھا۔ اسی مصنف نے اس کا اظہار کرتے ہوئے کہ وہ خود بھی اس علاقہ میں پہنچا ہے کیونکہ ایک جگہ کابل ہی کے تذکرہ میں اس نے لکھا ہے کہ

کابل کے بازار میں نیل کی تجارت بڑے پیمانہ پر ہوتی ہے اور یہ نیل باہر سے نہیں آتی ہے بلکہ اسی کے جنگلوں اور اسی کے آباد علاقوں میں پیدا ہوتی ہے' جیسا کہ تاجروں نے مجھ سے تذکرہ کیا ہے کہ اس بازار میں ہر سال بیس (۲۰) لاکھ دینار کی نیل بک جاتی ہے۔ لیکن میں نے جب دیکھا تو اس حال سے اس کو فروتر پایا۔ جس کے بعض فتنے اور فساد اسباب ہیں۔

درم کے حساب سے یہ تعداد قریب قریب کروڑوں کے پہنچ جاتی ہے میری غرض اس کے آخری فقرے کے ان الفاظ سے والذی مشاھدت خلاف (یعنی میں نے جس کا مشاہدہ کیا) جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابن حوقل خود کابل پہنچا ہے۔

اس میں یہ بھی لکھا ہے کہ:۔

یرتفع من کابل ثیاب حسنة من قطن یعمل منھا سبنیات وتدخل الی الصین	کابل سے بہترین سوتی کپڑے باہر بھیجے جاتے ہیں' سبنیات (ان ہی کابلی کپڑوں سے) بنتے ہیں چین بھی جاتے ہیں اور

تخرج الے خراسان و تبعث بالسند و اعمالها ص۳۲۵	خراسان کی طرف بھی روانہ ہوتے ہیں۔ سندھ اور اس کے ملحقہ علاقوں میں بھی بھیجے جاتے ہیں۔

اگر ابن حوقل ادنی کپڑوں کا ذکر کرتا تو شاید مجھے تعجب نہ ہوتا۔ اگرچہ اس وقت یہ بھی اچنبھے ہی کی بات ہو کر رہ گئی ہے۔ آنکھیں یہ دیکھنے کے لئے تو ترس ہی گئی ہیں۔ جیساکہ ابن حوقل ہی نے خوزستان یعنی اہواز تستر جند سابور وغیرہ ایرانی شہروں کا جو علاقہ ہے اسی میں بصنی نامی بھی ایک آبادی تھی۔ وہ بھی پارچہ بافی میں ایک مشہور مقام تھا۔ اسی کے متعلق لکھا ہے کہ

و ببصنی تعمل الستور المشهورة فی جمیع الارض المکتوب علیها عمل بصنی ص۱۷۵	بصنی میں وہی پردے بنتے ہیں جو روئی زمیں میں مشہور ہیں۔ ان پردوں پر لکھا ہوا ہوتا ہے "عمل بصنی"

کاش پھر آنکھیں "میڈان مانچسٹر" اور "میڈان لنکاشائر" کی جگہ "عمل کابل" کپڑوں پر خواہ وہ ادنی ہی ہوتے لکھا دیکھیں۔ لیکن ادنی تو ادنی یہ مسلمان سیاح اپنی چشم دید گواہی یہ ادا کرتا ہے۔ کہ کابل میں روئی کے کپڑے اتنی کثیر مقدار میں تیار ہوتے تھے جو وہاں کی مقامی ضروریات سے بچنے کے بعد ایک طرف مشرق بعید چین تک جاتے تھے اور خراسان و ہندوستان کی ضرورت بھی ان کے پوری ہوتی تھی۔ کیا اب وہی کابل ہے۔ یقیناً اس کی زمین بھی وہی ہے اور اس کا آسمان بھی وہی ہے اور کیا تعجب ہے کہ اسی سرزمین میں آسمان پھر اسی تماشہ کو دہرانے کا موقعہ عطا کرے۔ ابن حوقل نے آخر میں یہ بھی لکھا ہے کہ قدرت نے علاوہ منافع للناس کے "باس شدید" کی صفت پیدا کر کے جس چیز کو آسمان سے اتارا ہے۔ یعنی حدید (لوہا) اسی کے الفاظ ہیں

ولهم معادن حدید کثیرة	کابل والوں کے لوہے کی کانیں بھی بکثرت ہیں۔

معلوم نہیں اب اس باب میں کابل کا کیا حال ہے۔

خیر میں کہاں نکل گیا۔ گفتگو ہندوستان کے متعلق کر رہا تھا کہ چوتھی صدی تک مسلمان اس ملک کے متعلق بہت ہلکی سی واقفیت رکھتے تھے۔ البتہ ساحلی علاقوں میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ زمانہ سے مختلف ہندو راجاؤں کے علاقوں میں بسنا شروع ہو گئے تھے۔ لیکن حیرت ہوتی ہے کہ اس زمانے میں بھی مسلمان اس کفرستان میں جس بے خطر کو ساتھ رہتے تھے وہ عجیب و غریب ہے ابن حوقل سواحل ہند کے شہروں کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ

کھمبایت سے صیمور تک بلھرا کا علاقہ ہے جو کتاب[ا] الامثال کا مصنف ہے اور اپنے علاقہ کے نام کی نسبت سے مشہور ہے، جیسے (افریقہ میں) غانہ (کانگو) وغیرہ کا بھی یہی حال ہے۔"

بہرحال اسی بلھرا کے علاقہ میں جو مسلمان آباد تھے ان کے متعلق اور اس کے علاوہ دوسرے بعض مورخین کا بھی یہی بیان ہے کہ

وفیہا مسلمون ولا یلی علیہم من قبل بلھرا الذی فی زماننا ھذا الا مسلم یتخلف علیہم ص ۳۲۷	بلھرا کے علاقے میں کچھ مسلمان بھی آباد ہیں۔ ان مسلمانوں پر بلھرا کی طرف سے اس زمانہ میں وہی آدمی حاکم ہو سکتا ہے جو مسلمان ہو۔ بلھرا کا وہ ان مسلمانوں پر نمائندہ ہوتا ہے۔

جس کا مطلب یہی ہوا کہ حکومت کی جانب سے اس زمانہ میں بھی ہندوستان کے ان گنے چنے مسلمانوں کو اپنے اوپر خود مسلمانوں کی حکومت قائم کرنے کا اختیار دیا جا چکا تھا، بلکہ ابن حوقل نے ان مسلمانوں کے متعلق جو اس زمانہ میں غیر اسلامی حکومتوں کے علاقوں میں آباد تھے سب ہی کا یہی حال بتاتا ہے۔ اس کے الفاظ میں

وکذلک العادۃ وجدتہا فی کثیر من بلدان الاطراف التی تغلب علیہا الکفر الخزر والسریر واللان وغانہ وکوغہ	اور یہی حال (یعنی مسلمانوں پر خود مسلمان حکمراں ہیں) یہ بات میں نے بہت سے ان ممالک میں پائی جن پر کفر کا غلبہ ہے۔ مثلاً خزر، سریر، لان، غانہ، کوغہ وغیرہ میں۔

پھر اسی کی کچھ اور تفصیل ان الفاظ میں کرتا ہے۔

لا یقبل المسلمون فی جمیع ھذہ الضیاع حکم وان یحکم علیہم الا مسلم منہم ولا یتولی حدودھم ولا یقیم علیہم شہادۃ	ان تمام علاقوں میں مسلمان کسی حکم اور فیصلہ کو اس وقت تک تسلیم کرنے پر آمادہ نہیں ہوتے جب تک کہ ان پر خود مسلمان ہی حاکم نہ ہو۔ ان پر حدود اور سزاؤں کے نفاذ کا یا ان پر شہادت اور گواہی دلانے کا حق مسلمانوں کے سوا کسی دوسرے کو نہیں ہے

[ا] معلوم نہیں "کتاب الامثال" سے ابن حوقل کی کیا مراد ہے۔ شاید کلیلہ دمنہ کی داستان جس میں گیدڑوں کا ذکر بطور مثال کے کیا گیا ہے اور سارے قصے جانوروں ہی کے زبان سے ادا کئے گئے ہیں، واللہ اعلم بالصواب جدید تحقیقاتی مضامین میں تو ثابت کیا گیا ہے کہ اصل نام اس کتاب کا "ہیپدیشا" یا "اپدیش" "پند نامہ" تھا۔ ۱۲

الا المسلمون وان قلوا ص۲۲۸ | خواہ اس علاقہ میں مسلمانوں کی تعداد کم ہی کیوں نہ ہو۔

جس کا مطلب اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ مسلمانوں پر مسلمانوں کے سوا کسی دوسرے طبقہ کی حکمرانی کو ان علاقوں میں بھی مسلمان قبول نہیں کرتے تھے۔ جہاں انتہائی اقلیت قلیلہ میں وہ ہوتے تھے۔ اسی نے اس کے بعد یہ بھی لکھا ہے کہ

وببلاد بلهرا مساجد تجمع فيها الجمعات ويقام لسائرها الصلوات بالاذان على المنائر والاعلان بالتكبير والتهليل ص۲۲۸ | بلھرا کے علاقہ میں مسلمانوں کی مسجدیں بھی ہیں جن میں جمعہ کی نماز بھی ہوتی ہے اور دوسری معمولی نمازیں بھی پڑھی جاتی ہیں۔ نمازوں کے میناروں پر اذان بھی ہوتی ہے۔ اور تکبیر وتہلیل اعلان کے ساتھ ادا کی جاتی ہے۔

اور اسی نوعیت کی دوسری کتابوں میں مثلاً بزرگ بن شہریار کی کتاب "عجائب الہند" میں لکھا ہے کہ بلھرا کی حکومت میں مسلمانوں کا جو مسلمان افسر ہوتا تھا اس کا لقب ہزمن تھا۔ بزرگ جس زمانہ میں اس علاقہ میں پہنچا ہے، اس وقت وہاں ہزمنی کے اس عہدے پر جو سرفراز تھا۔ اس کا نام عباس بن اہان بتایا ہے۔ (عجائب الہند ص۱۴۳)

اسی کتاب میں دوسری جگہ الہزمن[1] کے متعلق یہ الفاظ لکھے ہیں،

والهزمن هو مثل القاضي في بلاد الاسلام ولا يكون الهزمن الا من المسلمين ص۱۶۱ | اسلامی علاقہ میں جو حیثیت قاضی کی ہوتی ہے۔ وہی حیثیت ہزمن کو (بلھرا) کے علاقے میں حاصل ہے لیکن ہزمن مسلمانوں کے سوا کسی دوسرے طبقہ سے نہیں ہو سکتا۔

اسی نے لکھا ہے کہ ہندوستانی قوانین کی رو سے کسی جرم کی خواہ کچھ بھی سزا مقرر ہو۔ لیکن مسلمان جب اس جرم کے مرتکب ہوتے تھے تو ان کو ہزمن کے سپرد کر دیا جاتا تھا۔ اس لئے سپرد کر دیا جاتا تھا کہ

ليعمل بما يوجبه حكم الاسلام | اسلامی قوانین کی رو سے ان پر حکم لگائے۔

کیا زمانہ کا انقلاب ہے کہ جس زمانہ میں مسلمان ہندوستان میں انگلیوں پر بھی بمشکل گنے جا سکتے تھے اسوقت

---

[1] بظاہر ہزمن، اہنر مند کی بگڑی ہوئی شکل معلوم ہوتی ہے۔ خیال گذرتا ہے کہ مسلمانوں کی جو اخلاقی عظمت ہندوستانی حکمرانوں کے قلوب میں قائم ہو گئی تھی۔ شائد اسی سے متاثر ہو کر انھوں نے اپنے مذہبی پیشوا یعنی برہمن کے وزن پر مسلمانوں کے پیشوا کو ہزمن کے لفظ کا شائد خطاب دیا ہو۔ واللہ اعلم بالصواب ۱۲

تو انھوں نے اس ملک میں یہ اختیار اور اقتدار حاصل کر لیا تھا، کہ مسلمانوں پر مسلمانوں ہی حکومت قائم ہو گی اور مسلمانوں پر ان کے دین ہی کا قانون نافذ ہو گا لیکن آج جب ان کی تعداد اسی ملک میں کروڑوں سے بھی متجاوز ہو چکی ہے۔ بلکہ کہا جا سکتا ہے کہ مسلمانوں کی سب سے بڑی تعداد شاید آج ہندوستان ہی میں آباد ہے۔ غالباً کسی دوسرے ملک میں اتنی بڑی آبادی مسلمانوں کی نہیں پائی جاتی۔ لیکن اس وقت اب اس مسئلہ کے خیال کو اپنے دماغ میں لانے کی جرأت نہیں کر سکتے۔ کچھ دنوں سے بعضوں کے اندر مبہم مبہم شکلوں میں کچھ چیزیں آئی بھی ہیں تو دوسروں سے منوانا دور کی بات ہے۔ خود مسلمانوں میں بھی اس پر اتفاق و اجماع قائم نہیں ہوا ہے یہی طے نہیں ہوا ہے کہ اس قسم کے اختیارات، کا مطالبہ موجودہ حکومت کے سامنے مسلمانوں کو پیش کرنا بھی چاہئے یا نہیں، دلوں میں کمزوری ہے، محسوس کرتے ہیں کہ ہمارے اس مطالبہ کو کون تسلیم کرے گا۔ اور سچ پوچھئے تو اصلی کمزوری دلوں ہی کی کمزوری ہے۔ باوجود قلت تعداد اور مادی ضعف کے جن مسلمانوں نے ان حقوق کو حاصل کیا تھا، ان کی اندرونی قوت کا اندازہ ابن حوقل ہی کی اس چشم دید شہادت سے ہو سکتا ہے وہ لکھتا ہے

> ان ہی علاقوں میں سے بعض علاقوں میں ایسے مسلمانوں سے بھی میری ملاقات ہوئی ہے جن کی پارسائی اور اخلاقی برتری کا یہ حال ہے کہ اپنے مقدمات میں غیر مسلم طبقات کے افراد عموماً ان کو اپنا گواہ مقرر کر کے حکومت کے سامنے ان کو پیش کرتے ہیں اور مقدمہ کا فریق ثانی بھی عموماً ان کی شہادت کے ساتھ اپنی رضامندی کا اظہار کرتا ہے۔ کبھی کسی خاص گواہ کی گواہی پر فریق ثانی کو اگر اعتراض بھی ہوتا ہے تو اسکی جگہ گواہی میں پھر مسلمان ہی کو پیش کر دیا جاتا ہے اور اس کے بیان پر مقدمہ کا فیصلہ ہو جاتا ہے۔ ص۲۲۵ ابن حوقل

لیکن آج ان ہی حقوق کے حاصل کرنے کا ذریعہ مسلمان جن چیزوں کو بنا رہے ہیں۔ اب میں ان کے متعلق کیا بیان کروں کہ وہ کیا کر رہے ہیں، جو چیز دیکھی جا رہی ہے اسے سنایا کیا جائے۔ غیر بھی اعتماد کرتے تھے ایک حال اسی قوم کا اسی ملک میں یہ تھا۔ اور آج اسی قوم کا اسی ملک میں یہ حال ہے، کہ ہر مسلمان دوسروں کی دھجیاں بکھیر رہا ہے۔ عزت و ناموس خود مسلمانوں کی مسلمانوں کے ہاتھ برباد ہو رہی ہے۔ باطنی قوت کے اس افلاس کے بعد باہر ہی طاقت پیدا کرنے کی کوشش قطعاً ایک غیر منطقی کوشش ہے۔

جن دنوں کا میں ذکر کر رہا ہوں مسلمانوں کے ساتھ اس ملک کے غیر مسلم باشندوں کی عقیدت کا یہ حال تھا کہ جن چیزوں میں خصوصیت کے ساتھ ہندوستان والوں کو دعویٰ تھا مثلاً سانپ کے زہر کا ازالہ جھاڑ پھونک

تنتر، جنتر وغیرہ۔ بزرگ بن شہریار نے کولم پلی (جنوبی ہند کے ایک ساحلی شہر) کے تذکرہ میں ناگ سانپ کا ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے، کہ

ان بکولم پلی رجل مسلم یسمی بالھندیہ بنجی وھو صاحب الصلوٰۃ یرقی نھشیۃ ھذہ الحیۃ

کولم پلی میں ایک مسلمان ہے جسے ہندوستانی زبان میں "بنجی" (یعنی بانگی) کہتے ہیں۔ یہ ان کی نماز سے تعلق رکھتا ہے (یعنی موذن ہے) وہی ناگ سانپ کے زہر کا ازالہ اپنے جھاڑ پھونک سے کرتا ہے

پھر یہ لکھ کر کہ زہر جب مار گزیدہ کے جسم میں اچھی طرح سرائت کر جاتا ہے تو اس وقت گو اس بنجی یعنی موذن کے جھاڑ سے نفع نہیں ہوتا لیکن عام حالات میں مریض عموماً شفایاب ہو جاتا ہے، آخر میں بیان کیا ہے کہ گو اس ملک میں بکثرت ایسے لوگ ہیں جو اس خاص سانپ (الناغران) یعنی ناگ اور اس کے سوا دوسرے سانپوں کے زہر کا ازالہ جھاڑ پھونک سے کرتے ہیں۔

الا ذن رقیۃ ھذا المسلم لا تکاد تخطی — لیکن اس مسلمان موذن کا جھاڑ بہت کم خطا کرتا ہے۔

واللہ اعلم واقعہ کی صحیح نوعیت کیا تھی لیکن اس قصہ سے اتنا تو ضرور معلوم ہوتا ہے کہ مسجد کے مؤذن تک کے متعلق اس ملک باشندوں کا یہ اعتقاد تھا کہ اس کا عمل ان کے جھاڑنے والوں کے عمل سے زیادہ موثر اور مفید ہے۔

اور اس سے بھی زیادہ دل چسپ بیان سلیمان تاجر کا ہے، مسلمانوں نے اپنے دین اور اپنے اخلاق کا کتنا وزن اہل ہند کے قلوب پر ڈال دیا تھا۔ اس قصہ سے اندازہ کیجئے، بلہرا جس کا ذکر ابھی گذرا ہے سلیمان اسی راجہ کا تذکرہ ان الفاظ میں کرنے کے بعد جس کا ترجمہ یہ ہے کہ

> بلہرا اس ملک کا سب سے بڑا بادشاہ ہے، اور تمام راجگان ہند اس کے فضل و شرف کو مانتے ہیں، اگرچہ ہندوستان کا ہر راجہ اپنے اپنے علاقہ کا مستقل حکمراں ہے لیکن بلہرا کی سیادت سب ہی تسلیم کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بلہرا کے سفیر جب کسی راجہ کے پاس پہنچتے ہیں تو سفیر کے سامنے راجہ ڈنڈوت[1] کرتے ہیں، یہ عظمت کے اظہار کا طریقہ ہے۔

---

[1] سلیمان کی کتاب میں "صلوا رسلہ تعظیما" کے الفاظ میں ڈنڈوت صلوٰۃ کا ترجمہ کیا ہے۔

پھر بلہرا کے متعلق اور مختلف باتیں یعنی اس کا سکہ کس قسم کا ہے۔ سن کی ابتدا اس حکومت سے کس زمانے سے ہوئی ہے، آخر میں لکھتا ہے۔

بلہرا خاندان کے راجگان کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ بسا اوقات پچاس پچاس سال تک ایک ایک راجہ کو حکومت کرنے کا موقعہ اس گدی پر مل جاتا ہے۔

اور یہ برکت حکمرانوں کو کس ذریعہ سے حاصل ہوئی ہے۔ سلیمان راوی ہے کہ

تزعم اھل مملکۃ بلھرا انما یطول مدۃ ملکھم واعمارھم فی الملک لمحبتھم للعرب (ص ۲۷)	بلہرا کی حکومت والوں کا خیال ہے کہ ان کی حکومت کی مدت اور ان کی عمر کی درازی کا سبب یہ ہے کہ عرب سے یعنی مسلمانوں سے وہ محبت کرتے ہیں۔

سنا آپ نے اس ملک والوں کا عقیدہ؟ چونکہ عرب یعنی مسلمانوں کے ساتھ بلہرا خاندان کے راجگان محبت کرتے ہیں اسلئے اللہ ان کی عمروں کو بڑھا دیتا ہے، یہ تھا محبوبیت کا وہ مقام جو مسلمان اپنے اخلاق کی بدولت ان ممالک میں حاصل کر لیتے تھے، جہاں وہ بیچارے صرف مسافروں اور تاجروں کی حیثیت سے پہنچتے تھے کہ نہ صرف وہی بلکہ ان کی قوم دوسروں کی محبوب بن جاتی تھی، اور کیسی محبوب کہ خدا کی ساری مہربانیوں کو اسی محبت کا نتیجہ قرار دیتی تھی، کیا بجائے مغربی طریقوں کے مسلمان دوسری قوموں کی محبت کو اپنی پرانی راہوں سے نہیں حاصل کر سکتے۔

میں نے جیسا کہ عرض کیا کہ یہ حال کچھ ایک بلہرا اور اس کے ملک کے باشندوں ہی کا نہیں تھا۔ ابن حوقل کے حوالہ سے یہ بات گذر چکی کہ جہاں کہیں بھی اس زمانہ میں مسلمان پہنچتے تھے کچھ ایسا اثر اس ملک کے باشندوں اور حکمرانوں پر ڈال دیتے تھے کہ بخوشی و رضا وہاں کے حکمران مسلمانوں پر حکومت کرنے کا اختیار خود مسلمانوں کے سپرد کر دیتے تھے۔ سلیمان تاجر ہی نے چین کا تذکرہ کرتے ہوئے بیان کیا ہے کہ

شہر خانفوہ جو چین کے مسلمان تاجروں کا مرکزی مقام تھا، یہاں چین کے بادشاہ نے مسلمانوں پر حکومت اور ان کے متعلق فصل حضونات کے اختیارات ایک مسلمان ہی کے سپرد کر رکھا ہے۔

اس کے بعد لکھتا ہے، کہ یہی مسلمانوں کا "والی"

اذا کان فی العید صلی بالمسلمین و	عید کے دن مسلمانوں کو وہی نماز پڑھاتا ہے اور

وخطب ودعاء السلطان المسلمين وان التجار العراقيين لا ينكرون من ولاية شيئاً فی احکامه وعمله بالحق وبما فی کتاب الله عزوجل واحکام الاسلام ص۱۴

خطبہ پڑھتا ہے اور مسلمانوں کے سلطان (خلیفہ) کے لئے دعا کرتا ہے، عراق کے مسلمان تجار چینی حکومت کے اس مسلم والی کی حکومت اور اس احکام کو انکار نہیں کرتے اور حق پر اس کا عمل ہے، اللہ کی کتاب کے مطابق اور اسلامی قوانین کے مطابق وہ فیصلہ کرتا ہے۔ اس پر بھی کسی کو اعتراض نہیں ہے۔

جنھوں نے یورپ سے سیاست کا علم سیکھا ہے، وہ کہتے ہیں کہ سیاست کا علم صرف ان ہی کی ذات قدسی صفات میں منحصر ہے، ان کو سننا چاہئے کہ وہی عید کی نماز اور جنازوں کی نماز پڑھانے والے خطبہ دینے والے مسجد کے ملانے بے تیغ وتفنگ اقلیت کی انتہائی شکلوں میں بھی وہ کچھ حاصل کر لیتے تھے، جسے آج شاید سوچا بھی نہیں جا سکتا۔

اسی سلسلہ میں بزرگ بن شہریار نے یہ بھی لکھا ہے کہ بعض ایسی رعائتیں ان ممالک میں مسلمانوں کو حاصل تھیں، جن سے خود اس ملک کے باشندے محروم تھے، اس نے لکھا ہے کہ

> ذہب[۱] (سونے) والے ملک اور جادہ کے بادشاہوں کا قاعدہ ہے ان کے سامنے کوئی بھی ہو ایک خاص شکل ہی کے ساتھ بیٹھ سکتا ہے۔ اس نشست کا نام انکی اصطلاح میں برسیلا، چار زانو ہو کر لوگوں کو ان بادشاہوں کے سامنے بیٹھنا پڑتا ہے، حتیٰ کہ خود ان کے ملک کے لوگ بھی اس سے مستثنیٰ نہیں ہیں، خواہ وہ کسی درجہ کا آدمی ہو۔ نشست کے اس خاص طریقہ کو ترک کر کے راجہ کے سامنے بیٹھنے کی اگر کوئی جرارت کرے تو سخت سزا کا مستوجب ٹھیرتا ہے۔

[۱] یہ ظاہر ہے اس سے مراد ہندوستان ہی ہے، پہلے بھی عرض کر چکا ہوں کہ مسلمان ہندوستان کو سونے کے گھر کا شکاف اور کبھی خانۂ زر بھی کہتے تھے۔ بزرگ بن شہریار کے دوسرے بیانوں سے معلوم ہوتا تھا کہ کبھی کبھی اس نقطہ کا اطلاق بلھرا کے ملک پر کرتے تھے، ممکن ہے کہ اس زمانہ میں سونا اس علاقہ سے نکلتا ہو۔ اب بھی ہندوستان میں سونے کی کانیں ممالک محروسۂ حضور نظام خلد اللہ ملکہ اور ریاست میسور میں پائی جاتی ہیں۔ جادہ کا لفظ ترجمہ میں میں نے لکھا ہے اصل کتاب میں "بلاد الزانج" ہے لیکن دوسرے قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ عربی تجار جادہ کا تلفظ زردیج سے کرتے تھے ۱۲

لیکن اسی کے ساتھ اسی کا بیان ہے'

الی الیوم رسمہم ان یجلس المسلمون بین ایدیھم کما یشتھون و یجلس غیرھم علی الرسم الاول بر سیلا فان غیر جلستہ کانت علیہ الغرامۃ

عجائب الہند ط ۱۹۶

اس وقت تک یہ دستور چلا آرہا ہے کہ ان غیر مسلم راجگان کے سامنے مسلمان جس طرح چاہیں بیٹھ سکتے ہیں لیکن مسلمانوں کے سوا دوسرے لوگ مذکورہ بالا قاعدہ کے مطابق بیٹھنے پر مجبور ہیں' جس کا نام برسیلا ہے اس نشست کے اس خاص طریقہ کے خلاف راجہ کے سامنے اگر کوئی بیٹھنے کی جرأت کرے تو اسے جرمانہ ادا کرنا پڑتا ہے

اور میرا خیال تو یہ ہے کہ اس عہد کے بھی مصنفین جن کی کتابوں سے اخذ کرکے میں ان معلومات کو پیش کر رہا ہوں اس زمانہ کے مسلمانوں کے عام اخلاقی معیار کی بہترین شہادتوں کا کام دے سکتے ہیں۔

میرا مطلب یہ ہے کہ عموماً لوگوں کا عام حال یہ ہے کہ دوسری قوموں کا یا دوسروں کے اوطان واقالیم کا جب ذکر کرتے ہیں تو بہت کم انصاف سے کام لیتے ہیں۔ دیکھا یہی جاتا ہے کہ لوگ اپنے ملک پر مشکل ہی سے دوسرے ممالک کو ترجیح دیتے ہیں اور اس کی ایک وجہ یہی ہے' اصل واقعہ تو یہ ہے کہ اپنا ملک ہو یا دوسرے کا' اپنا دیس ہو یا پردیس' جب سب ہی یہی حال ہے' کہ جہاں بھی جو جلایا جاتا ہے مرنے ہی کیلئے جلایا جاتا ہے' یورپ ہو یا امریکہ' ایشیا ہو' یا افریقہ' ہند ہو' یا سندھ' چین ہو یا ماچین' جہاں کہیں بھی زندگی کا بخار عناصر کے کسی خاص ریزے یا مادے کسی خاص ٹکڑے پر چڑھتا ہے تو ظاہر ہے کہ دم ہی لے کر اترتا ہے۔ ایسی زندگی جسکی ہر بہار کے پیچھے خزاں کے دھکے ہوں اور ہر شادی کے نقارے کے ساتھ غم کا نوحہ شروع ہو جاتا ہو' ہر صحت کو مرض دھمکیاں دے رہا ہو' الغرض جہاں ہر بقا کا انجام فنا ہو۔ وہاں یہ سوال کہ اس دنیا کا کونسا خطہ اچھا ہے' اور کون برا تھوڑی دیر کی غفلت کا ذریعہ تو بن سکتا ہے لیکن حقیقت جب سامنے آتی ہے تو سوئٹزرلینڈ یا کشمیر کے مرغزاروں اور صحراء افریقہ کے داحستانوں[۱] میں سچ پوچھئے تو کوئی فرق باقی نہیں رہتا۔

تاہم آدمی جس خطہ میں پیدا ہو جاتا ہے یا پیدا کر دیا جاتا ہے چاہتا ہے کہ جتنے دنوں بھی یہاں جینا ہے کسی نہ کسی طرح ان دنوں میں اس علاقہ کے ماحول کو حتی الوسع اپنے اندرونی احساسات کے مطابق بنالیا جائے

۱؎ ریگستانی صحراؤں کا قاعدہ ہے کہ کہیں کہیں بیچ میں ان کے نخلستان پیدا ہو جاتے ہیں عربی میں ان کو "فراحات" کہتے ہیں۔ میں نے اسی سے داحستان کا لفظ بنایا ہے۔

میں تو سمجھتا ہوں کہ آدمی کی اسی نفسیاتی کاریگری کا نام حب الوطن وغیرہ ہے اور حب الوطن کے اس خود آفریدہ جذبہ کی تسکین کے لئے دوسرے ممالک اور اقالیم کے مقابلہ میں اپنے وطن کی ترجیح وتفصیل کے وجوہ تلاش کرتا رہتا ہے۔ پھر جیسا کہ اس دنیا کا کوئی خیر ایسا نہیں ہے جس میں شر کا پہلو نہ پیدا ہوتا ہو، یہی حال اس عالم کے شر اور برائیوں کا بھی ہے۔ کہ غور کرنے کے بعد کسی نہ کسی حیثیت سے کچھ خیر کے پہلو بھی ان میں نکل ہی آتے ہیں، عام قاعدہ ہے کہ شر کے پہلوؤں سے قطع نظر کر کے خیر ہی کے پہلوؤں سے اپنے وطن کا آدمی تسلی حاصل کیا کرتا ہے۔ اسی قسم کے مصنفین ہیں جن کی کتابوں سے اپنے اس مقالہ میں میں کام لے رہا ہوں۔ ایک مصنف علامہ مقدسی بھی ہیں ان کی مشہور کتاب اس سلسلہ میں احسن التقاسیم نامی ہے، ایک موقعہ پر بلوچستان ومکران کے مفازہ کا تذکرہ کرتے ہوئے انھوں نے لکھا ہے، کہ یہ بڑا خطرناک مفازہ (ریگستانی ٹاپو بیاباں) ہے۔ بلوچی اور قفص قوم کے ڈاکو عموماً یہاں قافلوں پر چھاپے مارتے ہیں۔ آئندہ کسی موقعہ پر ان ظالموں کے مظالم کا شاید ذکر بھی آئے۔ اس وقت کہنا یہ ہے کہ مقدسی کی ملاقات اسی مفازہ کے خاص اس مقام پر جہاں ڈاکو جمع ہو کر قافلوں پر حملہ کی تیاریاں کیا کرتے تھے ایک شخص سے ہوئی جو صرف توت کے چند درخت اور انگور کی چند بیلوں کی پرورش میں وہاں مشغول تھا۔ مقدسی نے لکھا ہے کہ میں نے پوچھا کہ میاں! تمہارا دل یہاں نہیں گھبراتا۔ بوڑھا آدمی تھا۔ بولا کہ چند سال ہوئے میں نیشاپور گیا تھا تقریباً ایک ماہ میرا قیام بھی وہاں رہا۔ لیکن لوگوں کی گھماگھمی، آمد ورفت، غل غپاڑے سے میرا دل اتنا پریشان ہوا کہ وحشت کے اس حال پر زیادہ دن تک صبر نہ کر سکا اور سکون کی زندگی گذارنے کے لئے میں پھر اسی ریگستانی گوشہ میں پناہ گزیں ہو گیا ہوں۔

لیجئے ایک ایسے وحشت کدے میں بھی آدمی کا جب جی چاہتا ہے تو سکون وعافیت کا پہلو پیدا کر لیتا ہے۔

بہرحال سچ پوچھئے تو اسی جذبہ کا شعوری یا غیر شعوری تقاضا ہوتا ہے۔ عموماً اپنے ملک کے مقابلہ میں دوسرے ممالک کی خوبیوں کا اعتراف آدمی دل کھول کر نہیں کرتا۔ لیکن اسلام کے ان مصنفین کی کتابوں کو پڑھ کر میں تو حیران ہو کر رہ گیا۔ کہ خلاف دستور انھوں نے انتہائی فیاضیوں سے کام لیتے ہوئے ایسے ممالک کی تعریفیں کی ہیں، جن کے باشندوں سے نہ ان کا کوئی دینی تعلق تھا نہ نسلی۔ اور تعلق کیا معنی! ان کے مذہب کے رو سے جہاں کے باشندے کافر اور بے دین تھے لیکن با ایں ہمہ کوئی ملک ہو، اس کے

باشندوں کا مذہب و دین کچھ ہی ہو۔کسی نسل کے لوگ ہوں۔جو بھلائیاں اس ملک میں ان کو نظر آئی ہیں بغیر کسی جنبہ داری اور عصبیت کے دل کھول کر ان کا اظہار ان مصنفین نے کیا ہے۔یہی وجہ ہے کہ واقعات کے اظہار کے سلسلہ میں ان کے قلم سے جہاں ایسی باتیں نکل گئی ہیں،جنھیں ان ممالک کے نقائص وعیوب ہم قرار دے سکتے ہیں،ان کی واقعیت میں بھی شک وشبہ کی بہت کم گنجائش پیدا ہوتی ہیں۔

چونکہ اس وقت ہندوستان کا ذکر چھڑا ہوا ہے اسلئے جی چاہتا ہے کہ اس سلسلہ میں اسی کے متعلق بعض خاص چیزوں کا تذکرہ کروں۔

اس سلسلہ میں سب سے پرانی کتاب سلیمان تاجر کی سمجھی جاتی ہے،یعنی دوسری صدی ہجری کے کل سینتیس سال بعد کی یہ کتاب معلوم ہوتی ہے،عرض کر چکا ہوں کہ چوتھی صدی ہجری تک کے تجار اور سیاحوں کو اندرون ہند میں گھسنے کے مواقع بآسانی جب نہیں میسر آتے تھے تو دوسری اور تیسری صدی کی ابتدائی سالوں میں اس کی کیا توقع کی جاسکتی ہے۔مگر پھر بھی معلوم ہوتا ہے کہ ان مسلمان سیاحوں نے ہندوستان کے متعلق صحیح معلومات کا ذخیرہ کسی نہ کسی طرح جمع ہی کر لیا تھا۔اور زیادہ تر یہ معلومات ان کے مشاہدات ہی سے ماخوذ ہیں۔جس کا پتہ خود ان کے بیان سے ملتا ہے مثلاً سلیمان تاجر ہندوستانی جوگیوں اور نفس کشی کے واقعات کا تذکرہ کرتے ہوئے ایک موقعہ پر لکھتا ہے کہ

> بلاد ہند میں ایسے جوگیوں کا ایک طبقہ پایا جاتا ہے۔یہ سیلانی لوگ ہوتے ہیں،پہاڑوں اور جنگلوں میں گھومتے رہتے ہیں،انسانوں سے ان کا میل جول بہت کم ہوتا ہے۔عموماً یہ جنگل کی جڑی بوٹیاں،یا جنگلی پھلوں کو کھا کر گذارہ کرتے ہیں،اپنے نسلی عضو میں لوہے کا ایک چھلا ڈال دیتے ہیں،تاکہ عورتوں کے کام کے باقی نہ رہیں،بعض ان میں بالکل ننگ دھڑنگ رہتے ہیں،کچھ لوگ ان میں ایسے بھی ہوتے ہیں،جو دھوپ میں ننگے کسی کپڑے کے بغیر کھڑے ہونے کا ارادہ کر لیتے ہیں،البتہ کبھی کبھی شیر کی کھال بدن پر ڈال لیتے ہیں۔

الغرض اس قسم کی باتوں کو بیان کرنے کے بعد لکھتا ہے،کہ

فقد رأیت رجلا منہم کما وصفت ثم انصرفت وعدت	جیسا کہ میں نے بیان کیا اسی قسم کے ایک آدمی کو میں نے خود دیکھا تھا۔پھر سولہ سال بعد جب میں واپس ہوا تو اس شخص کو

بعد ست عشرة سنة فرئتيه علی تلك الحال فتعجبت کیف لم تسل عینه من حر الشمس ص۵۲ سلیمان	بجنسہ اسی حال پر میں نے پایا، مجھے حیرت ہوئی کہ اس کی آنکھ اس عرصے دھوپ کی حرارت سے بہ کیوں نہ گئی۔

جس سے معلوم ہوا کہ سلیمان خود ہندوستان آیا تھا۔ اور واقعات کا مشاہدہ اس نے خود کیا ہے بلکہ اس فقرے سے تو اس کا بھی پتہ چلتا ہے کہ آمد و رفت کا سلسلہ ان عربی تاجروں کے ملک ہند میں جاری تھا۔ سولہ سال کے بعد پھر وہ اس ملک میں واپس ہوا ہے اور یہی دوسرے مقامات پر اسی قسم کی باتیں اس نے لکھی ہیں۔ یہ تو سب ہی بیان کرتے ہیں، جیسا کہ میں نے پہلے بھی لکھا ہے کہ ہندوستان میں کسی ایک راجہ کی حکومت قائم نہیں ہے، سلیمان کے الفاظ ہیں کہ

بل کل واحد ملك بلادہ ص۱۵	بلکہ ہر راجہ اپنے علاقہ کا حکمراں ہے

صرف سواحل بحرِ ہند کے راجواڑوں کی سلیمان نے بھی ایک طویل فہرست دی ہے، جن میں بعض الفاظ تو سمجھ میں آتے ہیں، اور بعض ایسے ہیں، جن کے متعلق پتہ نہیں چلتا کہ اس کی مراد کیا ہے، بلھرا کا ذکر تو خیر گذر ہی چکا ہے سلیمان نے لکھا ہے، کہ بلھرا کے علاقہ کو کم کم کہتے ہیں، شاید کوکن کی یہ خرابی ہو۔ لکھا ہے کہ

وحولہ ملوك كثيرة يقاتلونہ ص۲۸	بلھرا کے اردگرد آس پاس میں بہت سے راجہ ہیں جو اس سے جنگ کرتے رہتے ہیں۔

پھر ان ہی ملوک میں ملک الجزر کا نام لیتا ہے جس سے غالباً گجرات کا راجہ مقصود ہے۔ پھر ایک ملک الطافق کا تذکرہ کیا ہے واللہ اعلم اس سے کیا مراد ہے، دریائے تاپتی جس علاقہ میں بہتا ہے، یعنی خاندیس مقصود ہے یا کیا ہے، اتنا پتہ دیا ہے کہ اس راجہ کے علاقہ کی عورتیں تمام ہندوستان کی عورتوں کے مقابلہ میں سب سے زیادہ حسین ہیں۔ پھر رُہمی نامی راجہ کا ذکر کیا ہے لکھا ہے کہ رُہمی میں اور ملک الجزر میں برابر جنگ ٹھنی رہتی ہے، اور یہ کہ بلھرا سے بھی رہمی کا مقابلہ ہوتا رہتا ہے۔ قرائن سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ رہمی غالباً کاٹھیاواڑ کے خطہ کی تعبیر ہے۔ بہر حال کچھ ہی ان مورخین کے بیان سے بھی معلوم ہوتا ہے اور یوں بھی دنیا جانتی ہے کہ ہندوستان بے شمار حکومتوں اور ریاستوں کی شکل میں بٹا ہوا تھا۔ سچ تو یہ ہے کہ ہندوستان جو کچھ تھا آج اس کا صحیح اندازہ کرنا مشکل ہے۔ جنوبی ہند کی تاریخ مولوی محمود خاں بنگلوری نے

جو لکھی ہے۔ اس میں میسور کی ایک مستند تاریخ سے یہ نقل کیا ہے، کہ

جب میسور کی راجہ نے نجن گڈھ کی تیرتھ کو جانا چاہا تو اس کو راستے میں دو دوسرے راجاؤں سے اجازت لینی پڑی۔ تاریخ میسور ص۲۲ (تاریخ جنوبی ہند ص۳)

اور اس راستہ کا فاصلہ کتنا تھا، مولوی محمود خاں کا بیان ہے

"میسور اور نجن گڈھ کے درمیان فاصلہ کل سولہ میل کا ہے"

سمجھا آپ نے کل سولہ میل کے اندر اندر دو دو راجدھانیاں واقع تھیں۔

خیر یہ تو جملہ معترضہ تھا۔ میں یہ کہہ رہا تھا کہ ان مسلمان مصنفین نے ہندوستان اور ہندوستان کے باشندوں کے متعلق جو باتیں بیان کی ہیں، ان سے پرانے مسلمانوں کی وسعت قلبی کا عجب ثبوت ملتا ہے اگر حسن ظن سے کام نہ لیا جائے تو اسے ان مسلمانوں کی شاید خوش اعتقادی سمجھی جا سکتی ہے، ایک واقعہ نہیں متعدد واقعات ان ہی کتابوں میں ایسے منقول ہیں، جن کو پڑھ کر حیرت ہوتی ہے، مثلاً بزرگ بن شہریار نے بیان کیا ہے کہ ہندوستان میں بکثرت ایسے اہل کمال پائے جاتے ہیں، جو علم زجر میں کمال رکھتے ہیں، یہاں پر علم زجر سے کیا مراد ہے۔ آئندہ جس واقعہ کو اس کے بعد بیان کیا ہے۔ اس سے تو میری سمجھ میں بھی آتا ہے۔ کہ جانوروں کی بولیوں کا علم خیال کیا جاتا تھا کہ ہندوستان والوں کو حاصل ہے، کیونکہ آگے قصہ یہ بیان ہے کہ:۔

سیراف (اسی ایرانی بندرگاہ کا ذکر آئندہ مختلف مقامات پر آئے گا۔ اس زمانہ کی سب سے بڑی تجارتی بندرگاہ تھی) یہاں اسی سیراف کے ایک تاجر نے بیان کیا کہ صالور نامی مقام سے وہ لوہارہ براہ خشکی جا رہا تھا، وہاں کے مقامی راجہ سے تاجر نے درخواست کی کہ اس کے ساتھ بطور بدرقہ کے حفاظت کا سامان کر دیا جائے۔ راجہ نے ایک آدمی اس کے ساتھ کر دیا۔ جو راجہ کے دربار کے پائک میں یعنی رجالہ (پیادوں میں تھا۔ تاجر کہتا ہے کہ ہم اور وہ دونوں جب روانہ ہوئے اور صیمور سے باہر نکل آئے، تو ایک ملاح (تلاو) کے کنارے بیٹھے یعنی پانی کا تالاب تھا اور ایک گرام یعنی باغ بھی وہیں پر تھا، مطلب یہ تھا کہ کچھ کھا پی لیں۔ ہمارے ساتھ کھانے میں کچھ چاول بھی تھے۔ اتنے میں ایک کوے کی آواز آئی اس پر میرے ہندی رفیق نے کہا کہ جانتے ہو یہ کوا کیا کہہ رہا ہے، میں نے کہا کہ

نہیں، ہندی رفیق نے کہا کہ کوا کہہ رہا ہے کہ جس چاول کو تم لوگوں نے کھایا ہے اس میں میرا بھی کچھ حصہ تھا اور میں اس کو ضرور کھا کر رہوں گا' سیرافی تاجر کا بیان ہے کہ اس ہندی کے بیان پر مجھے تعجب ہوا۔ کیونکہ ہم لوگ تو اس چاول کو کھا چکے تھے، کچھ بھی باقی نہ چھوڑا تھا، خیر ہم وہاں سے آگے روانہ ہوئے، جا رہے تھے ابھی دو فرسخ بھی راہ طے نہ ہوئی ہوگی کہ اچانک ہمارے سامنے پانچ ہندوستانی آدمی آتے ہوئے دکھائی دیئے یا شاید چھ تھے، ان لوگوں کو دیکھ کر میرا جو ہندی رفیق تھا میں نے دیکھا کہ وہ پریشان ہو رہا ہے اور اضطراب کی حالت میں ہے اور مجھ سے کہنے لگا کہ ان لوگوں سے میں ڈرتا ہوں میں نے کہا کیوں؟ اس نے کہا کہ مجھ میں اور ان لوگوں میں پرانی دشمنی ہے، ہم یہ گفتگو کر ہی رہے تھے کہ ان آنے والوں نے خنجر کھینچ لئے اور بے چارے میرے رفیق پر پل پڑے حتیٰ کہ اسے جان ہی سے مار ڈالا، اور اس کے پیٹ کو پھاڑ دیا۔ ان کی اس حرکت کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس بیچارے کے پیٹ میں جو کچھ تھا سب باہر نکل آیا۔ اس حال کو دیکھ کر میرے تو ہوش جاتے رہے۔ کچھ ایسا بدحواس ہوا کہ چلنے کی سکت مجھ میں باقی نہیں رہی، بے ہوش ہو کر گویا میں گر پڑا۔ میری عقل بجا نہ تھی لیکن ان قاتلوں نے مجھے تسلی دی اور سمجھایا کہ تم مت ڈرو، کیونکہ دشمنی تو میری اس شخص سے تھی، تم سے ہمارا کیا تعلق۔ یہ کہہ کر جس راہ سے آئے تھے اسی پر واپس چلے گئے، جب کچھ دور نکل گئے، تب کیا دیکھتا ہوں کہ وہی کوا اترا اور مقتول رفیق کے شکم سے جو چاول باہر نکل پڑے تھے انہیں چن چن کر کھا رہا ہے۔ ص۱۰۶

اسی بزرگ بن شہریار نے موسیٰ صندابوری کے حوالہ سے تقریباً اسی قسم کی ایک اور روائت نقل کی ہے کہ

میں صندابور کے راجہ کے پاس بیٹھا ہوا تھا، دیکھا کہ راجہ کچھ ہنس رہا ہے۔ اس نے مجھے دریافت کیا کہ میرے ہنسنے کی وجہ کیا ہے؟ میں نے کہا کہ مجھے کیا معلوم؟ راجہ نے کہا کہ دیکھو وہ سامنے دیوار پر گرگٹ بیٹھی ہوئی ہے۔ مجھ سے کہہ رہی ہے کہ ایک پردیسی مسافر تمہارے پاس آ رہا ہے، موسیٰ صندابوری نے کہا کہ راجہ کی اس حماقت پر مجھے تعجب ہوا، اور میں نے اسی وقت چاہا کہ اس کے پاس سے اٹھ جاؤں، لیکن اس نے اصرار کیا کہ بیٹھے رہو جو بات تم سے کہی گئی ہے اس کے نتیجہ کو بھی تو دیکھ لو، اس کے اس کہنے پر میں بیٹھا رہ گیا۔ ہم گفتگو

میں مشغول ہی تھے کہ اچانک راجہ کے آدمیوں میں سے ایک آدمی آیا اور اطلاع دی کہ صندا پور کی خلیج میں عمان کا ایک جہاز ابھی پہنچا ہے، اس کے بعد میں نے دیکھا کہ ایک جماعت تاجروں کی کپڑے اور عرق گلاب وغیرہ لئے ہوئے آرہی ہے ۱۵۵

اور اس سے بھی دلچسپ تر بیان سلیمان تاجر کا ہے، یعنی ہندوستانی عدل و انصاف کی تعریف کرتے ہوئے اس نے اپنا ذاتی تجربہ یہ بیان کیا ہے، کہ

ہندوستان میں کسی ایسی بات کا کسی پر اگر دعویٰ کوئی کرتا ہے، جس کے ثابت ہو جانے کے بعد مدعی علیہ کا قتل ہو جانا وہاں کے قانون کی رو سے ضروری ہو تو مدعی سے پوچھا جاتا ہے کہ کیا آگ والے امتحان میں اسکو ڈالنا تم پسند کرتے ہو، وہ جواب میں کہتا ہے کہ ہاں! لوہے کے کسی ٹکڑے کو آگ میں خوب گرم کرتے ہیں۔ جب وہ بالکل لال ہو کر خود آگ کا ایک انگارہ بن جاتا ہے، تب مدعی علیہ سے کہا جاتا ہے کہ ہاتھ آگے بڑھا، اس کے ہاتھ پر ایک خاص قسم کے درخت کے سات پتے رکھدئے جاتے ہیں، اور پھر اسکے ہاتھ پر اسی گرم گرم دہکتے ہوئے لوہے کو رکھدیا جاتا ہے، یعنی درمیان میں صرف وہی چند پتے رہتے ہیں پھر اس گرم لوہے کو ہاتھ پر رکھے ہوئے وہ آگے پیچھے دوڑتا ہے، اس کے بعد اسکے ہاتھ پر ایک تھیلی چڑھادی جاتی ہے اور راجہ اس پر اپنی مہر ثبت کرتا ہے، پھر تین دن جب گذر جاتے ہیں تو تھیلی سے ہاتھ نکالا جاتا ہے اور ایسے چاول جس کے چھلکے ان سے الگ نہیں۔ گئے ہوں، یعنی دھان اس کے حوالہ کئے جاتے ہیں کہ ان کے چھلکوں کو اپنے ناخن کر اتارے اگر لوہے کی آگ سے اس کا ہاتھ متاثر نہیں ہوتا تو بآسانی چھلکوں کو اتار دیتا ہے اور یوں قتل سے وہ بچ جاتا ہے اور بجائے اس کے خود مدعی پر جرمانہ عائد کیا جاتا ہے، یعنی ایک من سونا ادا کرے جس پر راجہ خود قبضہ کرلیتا ہے، بسا اوقات بجائے اس ترکیب کے ہانڈی میں پانی گرم کرتے ہیں۔ خواہ لوہے کی ہانڈی ہو یا تانبے کی۔ پانی کو اتنا گرم کرتے ہیں کہ آدمی اس کے قریب جانے کی بھی ہمت نہیں کرسکتا۔ پھر اسی گرم پانی میں لوہے کی ایک انگوٹھی ڈال دی جاتی ہے، اور مدعی علیہ سے کہا جاتا ہے کہ اس کھولتے ہوئے پانی میں ہاتھ ڈال کر اس انگوٹھی کو نکال لے۔"

قصہ کو بیان کرنے کے بعد سلیمان نے آخر میں لکھا ہے۔

وقد رأيت من ادخل يده و اخرجها صحيحة ص۴۹	میں نے اپنی آنکھ سے اس آدمی کو دیکھا ہے جس نے اس کھولتے پانی میں ہاتھ ڈالا اور بالکل درست حال میں اپنے ہاتھ کو پانی سے باہر نکال لیا

اس سے بحث نہیں ہے، کہ فصل خصومات کا یہ ہندی طریقہ واقعۃً کس حد تک قابل اعتماد ہو سکتا ہے! کون کہہ سکتا ہے کہ ہاتھ ڈالنے والے کن تدابیر سے کام لیتے تھے، یا کیا کرتے تھے۔ میں تو صرف یہ دکھانا چاہتا تھا کہ ان مسلمان سیاحوں کے بیانات کا ایک بڑا حصہ "دیدہ" اور چشم دید شہادتوں کا نتیجہ ہے۔ آپ دیکھ رہے ہیں کہ خود سلیمان مدعی ہے کہ مجرموں کے ساتھ اس طرز عمل کو اختیار کرتے ہوئے میں نے خود دیکھا ہے۔ ظاہر ہے کہ ایک پردیسی اجنبی آدمی کیلئے یہ مشکل ہے کہ اندرونی حقائق سے وہ صحیح واقفیت حاصل کرے۔ بظاہر جو بات اس کے سامنے گذری اسی کا اس نے اظہار کر دیا ہے، اور یہ انصاف پسندی کے جذبہ کا کتنا اچھا معصوم ثبوت ہے، یہ چاہتا تو بیسیوں شکوک کا اظہار کر سکتا تھا۔ خصوصاً مسلمانوں کے عام ائمہ کا خیال بھی جب یہ ہے کہ اس قسم کے طریقوں سے دعاوی کا فیصلہ صحیح نہیں ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ تو قرعہ اندازی کے ذریعہ سے فصل مقدمات کے طریقہ کا انکار کرتے تھے یا مباہلہ تک کے متعلق مشہور ہے کہ احقاق حق یا ابطال باطل کا ذریعہ عام لوگوں کیلئے اس کو نہیں قرار دیا جا سکتا۔ انبیاء یا خدا کے خاص بندوں کی اور بات ہے۔

خیر یہ دوسری باتیں ہیں، ان خود اعترافی شہادتوں کے سوا جو معلومات ان مورخین کی کتابوں میں ملتے ہیں ان کی صحت کی ایک دلیل یہ بھی ہو سکتی ہے، کہ گو انھوں نے آج سے ہزار برس پہلے کی باتیں ہندوستان کے متعلق بیان کی ہیں۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ ان کی بہت سی بیان کردہ ایسی باتیں اب بھی ہندوستان میں پائی جاتی ہیں، جن سے ان کے بیان کی تصدیق ہوتی ہے۔ مثلاً سلیمان ہی نے بیان کیا ہے کہ ہندوستان کے لوگ دن کے کھانے کے پہلے غسل ضرور کرتے ہیں۔ اسی طرح ان کی عام عادت یہ ہے کہ مسواک کئے بغیر کھانا نہیں کھاتے، وہ ایام کے دنوں میں عورتوں سے مقاربت کو جائز نہیں سمجھتے، اس نے یہ بھی لکھا ہے کہ جیسے اس ملک میں حکمرانی چند خاص خانوادوں کے ساتھ مخصوص ہے اسی طرح ہر ہر پیشہ بھی خاص خاص خاندانوں کیلئے موروثی طور پر مختص ہے۔ حتیٰ کہ طبابت کتابت اس قسم کی چیزیں بھی خاندانی ہیں۔ ان گھرانوں کے سوا جن کا یہ موروثی پیشہ ہے کوئی دوسرا اس پیشہ کو اختیار نہیں کر سکتا۔ ص۵۱ اس نے یہ بھی لکھا ہے کہ ہندوستان والے عموماً اپنے مردوں کو آگ میں جلاتے ہیں، ص۵۵ کون نہیں جانتا کہ یہ باتیں اس زمانہ تک ہندوستان میں پائی جاتی ہیں۔ البتہ اسی سلسلہ میں اس نے ایک عجیب بات یہ بیان کی ہے میں بجنسہ سلیمان کے الفاظ نقل کرتا ہوں یعنی لکھتا ہے کہ۔

اهل الهند يطولون لحاهم	ہندوستان والے لمبی لمبی ڈاڑھیاں رکھتے ہیں،

اور صرف اسی قدر نہیں، آگے لکھتا ہے اور اپنا مشاہدہ بیان کرتا ہے کہ

وربما رأيت لحية احدهم ثلثة اذرع ص۵۵	بعض اوقات میں نے تین تین ہاتھ لمبی ڈاڑھی والوں کو بھی دیکھا ہے۔

اسی کے ساتھ گو اس نے یہ بھی بیان کیا ہے

کہ ہندوستان کے باشندوں کا ایک قاعدہ یہ بھی ہے کہ جب ان کا کوئی آدمی مرجاتا ہے اس وقت وہ اپنے سر اور ڈاڑھی کے بال منڈوا دیتے ہیں" ص۵۵

ظاہر ہے کہ یہ رسم ہندوستان میں اب بھی جاری ہے، لیکن علاوہ اس رسم کے عام طور پر ہندوستانیوں کا ڈاڑھی رکھنا اور اتنی لمبی لمبی ڈاڑھیاں کہ تین تین ہاتھ تک دراز ہوجائیں۔ بالکل عجیب ہے۔ آج کل تو شمالی ہند ہو، یا جنوبی۔ کسی علاقہ میں ڈاڑھی رکھنے کا دستور نہیں ہے، سکھوں میں اس کا رواج اگر ہوا بھی ہے، تو یہ بالکل پہلے زمانہ کی بات ہے۔ اس میں شک نہیں کہ بعض مذہبی لوگ ہندوؤں میں اب بھی ڈاڑھی رکھتے ہیں لیکن سلیمان تو اس کو اس ملک کا عام رواج قرار دیتا ہے۔ کون کہہ سکتا ہے کہ ہندوستانی چہروں سے ڈاڑھی کا غائب ہونا اس ملک کا نیا حادثہ اسی قسم کا ہو، جیسے آج مسلمانوں کیلئے بھی یہ ایک نئی افتاد ہے۔

یا ممکن ہے کہ المسعودی وغیرہ نے اپنی کتابوں میں جیسے ہندی معاشرت کی ایک خاص خصوصیت کا ذکر کیا ہے۔ لیکن جہاں تک میں جانتا ہوں اب شاید اس مسئلہ کی اتنی اہمیت باقی نہیں رہی ہے۔

ان لوگوں نے بیان کیا ہے کہ ہندوستان کے باشندوں میں ڈکار یا کھانسی کو باد مخالف کے اظہار سے زیادہ برا قرار دیا جاتا ہے، المسعودی نے بڑی تفصیل سے اس ہندی رواج پر بحث کی ہے۔

اس نے لکھا ہے کہ

"ہندی حکماء کا خیال ہے، کہ باد شکم کو پیٹ میں روکے رکھنا موذی حرکت ہے۔ اور اس کا ارسال واطلاق راحت بخش ہے، یہ امراض کا بہت بڑا علاج ہے۔ قولنج والوں کو اس سے بڑی راحت میسر آتی ہے، اسی طرح مطحول (یعنی جس کی تلی بڑھ گئی) ہو اس کے لئے اس کا روکنا سخت مضر ہے۔"

الغرض اسی قسم کی باتوں کے بعد لکھا ہے کہ

یہی وجہ ہے کہ ہندوستان والے ضرطہ (باآواز اخراج) میں کسی قسم کی جھجک نہیں محسوس کرتے اور الفسوہ (یعنی مخفی آواز) کو بھی کبھی نہیں روکتے ' .... ان کے نزدیک کھانسی کی آواز ضراط سے زیادہ ' اور فسار سے زیادہ معیوب ہے ' ان کا یہ خیال بھی ہے کہ ضراط کی آواز بدبو کے ازالہ کا ذریعہ ہے .... وہ یہ بھی کہتے ہیں ' کہ ہوا تو پیٹ میں ایک ہی ہوتی ہے البتہ اس کے نام مخارج کے اختلاف کی وجہ سے بدل گئے ہیں ' صعودی حرکت جب ہوتی ہے تو اس کا نام لوگوں نے ڈکار رکھدیا ہے اور صبوطی کا نام فسار ہے - ورنہ دونوں ہواؤں میں کسی قسم کا کوئی فرق نہیں[1] ہے - ص ۲۵۳

المسعودی نے اس سلسلہ میں اور بھی تفصیلات سے کام لیا ہے ' خصوصیت کے ساتھ راجگان ہند کی عام عادت یہ بتاتا ہے ' کہ

لا یحتشمون فی اظہارھا فی سائر احوالھم وکذالک سائر حکمائھم ص ۲۵۲

باد مخالف کے اظہار میں کسی قسم کی جھجک محسوس نہیں کرتے خواہ کسی حال میں صادر ہو یعنی خلوت میں ہو یا جلوت میں تنہائی میں ہوں یا بھری مجلسوں میں اس ملک کا راجہ اور یہاں کے حکما یعنی پنڈتوں میں یہ عادت عام ہے

جس سے معلوم ہوتا ہے ' کہ ہندوستانی درباروں یا علمی مجلسوں کیلئے بھی یہ کوئی معیوب بات ان سیاحوں کے زمانہ میں نہ تھی ' لیکن ظاہر ہے کہ اب یہ کیفیت باقی نہیں رہی ہے ' ممکن ہے کچھ یہی حال داڑھی کا بھی ہوا ہو -

اسی سلسلہ میں سلیمان نے یہ بھی بیان کیا ہے ' یعنی ہندوستان والوں کی تعریف کرتے ہوئے اس نے لکھا ہے '

> چین کے باشندوں کو کھیل تماشوں کا خاص ذوق ہے لیکن ہندوستان والے ان باتوں کو اچھی نظروں سے نہیں دیکھتے ' نیز ہندوستان والے شراب بھی نہیں پیتے ' بلکہ اس وجہ سے کہ سرکہ چونکہ شراب ہی سے بنتا ہے ' اسلئے سرکہ بھی استعمال نہیں کرتے -

---

[1] آخر میں المسعودی نے اس ہندی رواج کو بہت سراہا ہے ' لکھا ہے کہ اس کے فوائد اور اسکی خلاف ورزی کے نقصانات کو ہر صاحب تمیز خود سمجھ سکتا ہے ' اسکی رائے ہے کہ ارباب مذاہب و ادیان نے شاید اس کی برائی بیان کی اور اسی لئے لوگ اس کو کچھ معیوب خیال کرنے لگے ' اس نے ہندی حکمت کے حوالہ سے بعض عربی اشعار بھی اس سلسلہ میں نقل کئے ہیں ۱۲

اس نے اس کے بعد یہ عجیب تحقیقی بات لکھی ہے۔

کہ شراب نوشی سے پرہیز ہندوستان والے اس لئے نہیں کرتے کہ یہ کوئی ان کے مذہب کی بات ہے، بلکہ اس سے ان کے دلوں میں نفرت اور ایک قسم کی گھن پیدا ہو گئی ہے۔

پھر اس کی ایک لطیف توجیہ اس نے خود کی ہے جس کا حاصل وہی ہے کہ ہندوستان چونکہ بیسیوں حکومتوں کی شکل میں بٹا ہوا ہے، ہر راجہ دوسرے راجہ کی طرف سے ہمیشہ خطروں سے گھرا رہتا ہے، ہر وقت اپنے گردو پیش کے راجواڑوں سے اسے جنگ کرنی پڑتی ہے، اسلئے ان کا خیال ہے

کہ شراب پینے والے حکمراں اپنی حکومت کی حفاظت نہیں کر سکتے اور نہ سلطنت کے انتظامات کو درست رکھ سکتے ہیں۔

اس نے لکھا ہے کہ

اسی لئے ہندوستان میں مشہور ہے کہ شراب پینے والا راجہ راجہ ہی نہیں ہے۔ صلہ

سلیمان نے یہ بھی لکھا ہے کہ "ہندوستان میں راہزنوں کو بھی قتل کر دیا جاتا ہے، اسی طرح چور خواہ ایک ہی پیسہ کا چور کیوں نہ ہو اس کو سخت سزا دی جاتی ہے جسکی انتہا موت پر ہوتی ہے۔ چوروں کی سزا کا طریقہ یہ لکھا ہے کہ

ایک بڑی لمبی طویل لکڑی ہوتی ہے جس کے دونوں کناروں کو تیز کر کے اس میں دھار پیدا کر دیتے ہیں اور چور کو اسی پر بٹھا دیا جاتا ہے اور اس طور پر بٹھایا جاتا ہے کہ لکڑی اس کے جسم میں گھس جاتی ہے اور حلق تک پہنچ جاتی ہے۔ صلہ

اس نے یہ بھی بیان کیا ہے، کہ

ہندوستان اور چین میں حرم کا دستور تو نہیں ہے لیکن نکاح ان دونوں ملکوں میں مرد جتنی عورتوں سے چاہیں کرتے ہیں اور شادی کا طریقہ یہ ہے کہ لڑکی اور لڑکے والے

لہ اور یہ اس نے بالکل صحیح بات لکھی ہے، کیونکہ ویدوں تک میں بکثرت تذکرہ کیا گیا ہے، کہ سوما کا رس اس ملک کے عوام ہی نہیں بلکہ یہاں رشیوں اور منیوں حتی کہ دیوتاؤں تک کا ایک محبوب مشروب تھا اور سوما کے متعلق لکھا ہے کہ شدید قسم کی نشہ آور کوئی بوٹی تھی جس سے رس بڑے اہتمام سے نکالا جاتا تھا۔ وید کے اشلوکوں کا ایک بڑا حصہ سوما کی تعریف ہی کیلئے مختص ہے۔ ۱۲

سلہ مہابھارت کے بعض اشلوکوں سے معلوم ہوتا ہے کہ چوری کی سزا قطع ید یعنی ہاتھ کاٹنا، بھی اسی ملک میں مروج تھی۔ ۱۲

بیاہ سے پہلے آپس میں تحفوں اور ہدیوں کا تبادلہ کرتے ہیں اور شادی کو ڈھول اور سنکھ آوازوں سے بستی میں مشہور کرتے ہیں۔ یہ تحفے اور ہدیے ہر شخص اپنی اپنی بضاعت کے مطابق دیتا ہے ۱۲

اس کے بعد اس کا بیان ہے کہ

کہ کسی کی بیوی کے پاس اگر کوئی آئے اور اس کے ساتھ بدکاری کا ارتکاب کرے تو قاعدہ ہے کہ اس قسم کے زانی آدمی کو ہندوستان کی تمام حکومتوں میں قتل کر دیتے ہیں، اسی طرح جبراً کسی عورت سے اگر کوئی بدکاری کرتا ہے تو صرف مرد قتل کیا جاتا ہے، اور عورت کی رضامندی سے اگر فعل کا وقوع ہوا ہو تو دونوں مار ڈالے جاتے ہیں۔

سلیمان نے یہ بھی لکھا ہے کہ

کہ ہندوستان میں بھی اور چین میں بھی فصل خصومات کے لئے قاضیوں کی الگ جماعت ہے، حکومت کے دوسرے عمال اور ملازمین سے اس کام کا تعلق نہیں ہے۔ ص۵۵

اسی نے یہ بیان کرنے کے بعد کہ

ہند کے باشندوں میں ایسی بہت سی دینی نیکیوں کا رواج ہے جن کے متعلق ان کا عقیدہ ہے کہ خدا ان کے کرنے والوں سے خوش ہوتا ہے اور اپنا قرب و نزدیکی عطا کرتا ہے

لکھا ہے کہ

مثلاً ان میں اس کا رواج ہے کہ مسافروں کیلئے سرائیں بنواتے ہیں۔ ان سراؤں میں بقال اور بنئے رہتے ہیں جن سے راہ گیر ضرورت کی چیزوں خریدتے ہیں۔ ص۱۲۵

اسی سلسلہ میں اس نے سیلون جسے عرب کے سیاح ہندی جزیرہ کے نام سے موسوم کرتے تھے اور اپنی کتابوں میں بکثرت اس کا تذکرہ سیلان یا سرندیپ کے نام سے انھوں نے کیا ہے، اسی جزیرے کے متعلق اس عجیب وغریب رواج کا تذکرہ کیا ہے۔

سرندیپ کے علاقہ کا یہ دستور ہے کہ اس ملک کا راجہ جب مرتا ہے تو ایک گاڑی جو زمین سے قریب قریب ملی رہتی ہے (یعنی پہیے اس کے چھوٹے ہوتے ہیں)، اسی گاڑی پر راجہ کو لٹا دیتے ہیں اور اس کے سر کو گاڑی کے تختہ کے کنارے اس طرح رکھتے ہیں کہ اس کے

بال زمین پر لٹکتے رہیں۔ اسی طرح گاڑی کو کھینچتے ہوئے اس کا گشت کراتے ہیں۔ راجہ کے سر کے بال کو گاڑی کے ساتھ زمین پر گھسیٹتے ہوئے لے جاتے ہیں، ایک عورت ہاتھ میں جھاڑو لئے گاڑی کے پیچھے پیچھے رہتی ہے اور خاک دھول کو راجہ کے سر کے بال سے صاف کرتی جاتی ہے۔

اصل چیز اس کے بعد جو اس نے بیان کی ہے وہ یہ ہے کہ

اسی گاڑی کے ساتھ ساتھ ایک اور آدمی ہوتا ہے، جو مسلسل پکارتا جاتا ہے کہ لوگو! دیکھو یہ ہے وہ شخص جو کل تک تمہارا راجہ اور حکمراں تھا، تم میں کل تک اس کے احکام اور فرامین نافذ ہو رہے تھے۔ لیکن آج اسی کو دیکھو کہ اس کا انجام کیا ہوا، اس نے دنیا چھوڑ دی موت کا فرشتہ اس کی جان نکال کرلے گیا۔

تو تم کو بھی چاہئے کہ دنیا کی زندگی کے فریب میں نہ آجائیو، اور بھی اسی قسم کی باتیں کہتا جاتا ہے، یہ قصہ تین دن تک جاری رہتا ہے، تیسرے دن پھر صندل اور کافور و زعفران مہیا کئے جاتے ہیں، اور ان ہی چیزوں کے ساتھ راجہ کو آگ میں پھونک دیتے ہیں اور اس کی راکھ کو ہوا میں اڑا دیتے ہیں۔ صفحہ ۵۰

علاوہ ان رسوم اور عادات کے سلیمان نے ہندوالوں کے علم و فضل، صنعت و حرفت میں جس قسم کی مہارت اور چابک دستیوں کے وہ مالک تھے ان باتوں کی دل کھول کر اس نے بڑی تعریفیں کی ہیں، بلکہ بعض امور میں ہندوستانیوں کو چینیوں پر فضیلت بھی دی ہے۔ خصوصاً مذہب اور دین کے بارے میں لکھا ہے کہ

اس کا علم چین والوں کے پاس نہیں ہے۔ ان کا دین ہندوستان والوں ہی سے حاصل کیا ہوا ہے،

اسی نے لکھا ہے کہ

چینی خود کہتے ہیں کہ ہمارے البددہ[۱] کو ہندوستانیوں نے بنایا ہے۔

پھر دونوں ملکوں کے مشترک مذہبی عقائد کا تذکرہ کرتے ہوئے آخر میں وہی لکھتا ہے کہ

---

[۱] بظاہر البددہ کا لفظ بدھ کے لفظ کی جمع معلوم ہوتی ہیں۔ خدا جانے اس سے وہ مورتیاں مراد ہیں جو ہندوستان سے چین میں منتقل ہوئیں۔ یا البددہ بدھ مذہب کی کتابوں کو بھی کہتے تھے۔ ۱۲

"ہندوستان میں طب کے ماہرین اور فلاسفہ بھی پائے جاتے ہیں۔"

اور یہ کہتے ہوئے کہ طب اور نجوم کا چرچا گو چین میں بھی ہے لیکن۔

ذالك بالهند اكثر	ان دونوں علوم (طب و نجوم) کا ہندوستان میں زیادہ رواج ہے

المسعودی نے بھی لکھا ہے

للهند التقدم فی صناعة الطب ولهم اللطافة والحذق ص۲۵۲ ج ۱	علم طب میں ہندوستان کے باشندے بہت آگے ہیں۔ اس فن میں دقت نظری اور حذاقت ان کو حاصل ہے۔

صنعتی مہارتوں کا ذکر کرتے ہوئے جو باتیں ان لوگوں نے بیان کی ہیں، سننے والوں کو آج بھی سن کر ان پر تعجب ہوتا ہے، مثلاً رہمی کے نام سے جس علاقہ کو ان لوگوں نے موسوم کیا ہے۔ پارچہ بافی میں اس ملک کے کاریگروں کو جو مہارت حاصل تھی اس کے متعلق سلیمان لکھتا ہے۔

رہمی کا ملک کپڑوں کا ملک ہے۔ ایسے کپڑے اس ملک میں تیار ہوتے ہیں جس کی مثال کہیں نہیں پائی جاتی۔

اور اس کے متعلق تو اپنی چشم دید شہادت اس نے ادا کی ہے یعنی لکھتا ہے کہ

حسن و باریکی میں ان کپڑوں کی حالت یہ ہے کہ ایک انگوٹھی میں پورا تھان سما جاتا ہے۔ یہ سوتی کپڑا ہے میں نے خود اس کو دیکھا ہے ص۳۰

سلیمان نے ہندوستان کے ودیالوں کا بھی ذکر کیا ہے۔ سرندیپ کے تذکرہ میں لکھتا ہے

کہ اس ملک کے باشندوں کے پاس بھی ایک خاص شریعت ہے اور ان میں اس شریعت کے علماء پائے جاتے ہیں۔ ان کے بھی حلقے ہوتے ہیں۔ جیسے ہمارے یہاں محدثین کے حلقے ہیں، ہندوستان کے لوگ ان علماء کے اردگرد اکٹھے ہوتے ہیں، اور اپنے پیغمبروں کی سیرت اور اپنے دین کے مسائل ان سے سن سن کر لکھتے ہیں، ص۱۲۲

میں کہاں تک بیان کروں۔ حاصل یہ ہے کہ بغیر کسی جنبہ داری اور ادنیٰ درجہ کی عصبیت کے کسی دوسرے مذہب اور ملک کے متعلق کوئی جو کچھ بھی بیان کر سکتا ہے، مسلمانوں کے ان پرانے پرانے مورخین اور سیاحوں نے اس کے بیان کرنے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا ہے، محض اس لئے کہ اس ملک یا قوم کا مذہب چونکہ ہمارے مذہب اور اس کے اصول سے مختلف ہے، یا میرے ملک اور میری قوم سے ان کا تعلق نہیں ہے۔ اس لئے ان کی

خوبیوں کے اعتراف کرنے میں انہوں نے قطعاً بخل یا تنگدلی سے کام نہیں لیا ہے۔ قدیم تو قدیم اس زمانہ میں بھی جب بلند نظریوں اور انصاف پسندیوں کے دعووں سے یورپ نے آسمانوں کو سر پر اٹھالیا ہے۔ اتنی بے لوثی کی نظیر کسی مصنف کے کلام میں مشکل ہی سے مل سکتی ہے۔ آپ اسے جاہے وسعت مشربی کہئے یا دوسری قوموں کے ساتھ انصاف کا جذبہ کہ المسعودی نے ہندوستان کے سمنیہ فرقہ کا تذکرہ کرتے ہوئے ان کی اصنام پرستی کے متعلق لکھا ہے، کہ

جیسے اسلام سے پہلے قریش بت پرستی کرتے تھے بت پرستی میں یہی حال ان کا بھی ہے ان مورتیوں کو یہ پوجتے ہیں، اور دعاؤں کے ساتھ ان ہی کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔

لیکن اس کے بعد اپنی رائے ان الفاظ میں قلمبند کرتا ہے۔

واللبیب منھم یقصد بصلاته لخالق ویقیم التماثیل من الاصنام و الصور مقام قبلة والجاھل منھم ومن لا علم له یشرك الاصنام بالھیة الخالق ویعتقد ھما جمیعاً وان عبادتھم الاصنام تقربھم الی الله زلفی ص۱۹۱

لیکن جو لوگ عقل و خرد والے ہیں ان کے سامنے اپنی دعاؤں میں خدا ہی مقصود ہوتا ہے اور مورتیوں کو وہ اپنے سامنے بطور قبلہ (یعنی رخ کرنے کی سمت کی حیثیت سے رکھتے ہیں[۱] لیکن جنھیں علم نہیں ہے اور جو جاہل ہیں وہ خدا کی الوہیت میں ان مورتیوں کو بھی شریک کرتے ہیں اور جو دونوں باتوں کے معتقد ہیں ان کا خیال ہے کہ مورتیوں کی عبادت ان کو خدا سے نزدیکی عطا کرتی ہے

[۱] اس میں کوئی شبہ نہیں کہ بت پرستی کی یہ آخری تاویل و توجیہ ہو سکتی ہے جس سے مسلمان آج سے سینکڑوں بلکہ ہزار سال پہلے واقف تھے لیکن سچ پوچھئے تو یہ بھی توجیہ القول بما لا یرضی بہ قائلہ (یعنی قائل کی مرضی کے خلاف خواہ مخواہ اس کی طرف سے بات بنانا ہے) بت پرست دنیا میں خصوصاً ہندوستان میں کروڑوں کی تعداد میں اب بھی موجود ہیں خود ان سے پوچھا جا سکتا ہے کہ اپنے معبودوں کے متعلق ان کا کیا خیال ہے۔ آفتاب و ماہتاب گائے وغیرہ کے پوجنے والوں کو جانے دیجئے کہ ان کو تو خود ان کے پوجنے والے خدا کی مخلوق مانتے ہیں۔ کسی کا عقیدہ نہیں ہے کہ دنیا کو گائے نے یا سورج نے یا چاند نے پیدا کیا ہے ان کو وہ مخلوقات الٰہی میں شمار کرتے ہیں، رہیں مورتیاں، سو وہ ایک قسم کی تو ہیں نہیں، انسانوں کی بھی ہوتی ہیں اور حیوانوں کی بھی نمائندگی ان ہی مرے ہوئے انسانوں یا جانوروں کی کرتی ہیں جو ان کے اصل معبود ہوتے ہیں اور ظاہر ہے کہ ان معبودوں کو جن کی مورتیاں نمائندگی کرتی ہیں۔ ان کو بھی خود ان کے پوجنے والے خدا کی مخلوق ہی خیال کرتے ہیں۔ بہرحال ان مورتیوں میں ایسی کوئی مورتی نہیں ہے جسکے متعلق سمجھا جاتا ہو کہ (باقی اگلے صفحہ پر ملاحظہ ہو)

اس نے لکھا ہے، کہ

ھو رائے الھند فی العالم والجاھل | یعنی ہندوستان کے عالم اور جاہل سب کا یہی خیال ہے۔

کچھ بھی ہو میرا خیال تو یہ ہے کہ ہمارے اسلاف کا غیر قوموں کے ساتھ اسی قسم کے فیاضانہ برتاؤ اور سلوک کا نتیجہ یہ تھا کہ قومیں ان سے مانوس ہوتی تھیں۔ بجائے بھڑکنے کے ان سے قریب ہوتی تھیں ان کی باتوں کو وہ سنتی تھیں۔ سچائیوں کو دلوں میں اتارنے کا یہی ایک کارگر حربہ ان کے پاس تھا۔ یہی لوگ تھے جن کی بدولت آج جاوہ، سماٹرا الغرض انڈونیشیا، اور چین وغیرہ ممالک میں بے تیغ وتفنگ کروڑوں کی تعداد میں مسلمانوں کی آبادیاں پائی جاتی ہیں، برا بھلا کہہ کر گالی گفتوں سے کبھی دنیا صداقت کی دعوت وتبلیغ میں کامیاب نہیں ہوئی ہے۔

میں تو ان کتابوں میں بعض واقعات کو پڑھ کر حیران رہ گیا۔ ہمیشہ سے یہ سنتا ہوں کہ ہندوستان کے باشندوں کا خیال ہے کہ دریائے شور کو عبور کر کے دوسرے ملکوں میں جانا مذہباً ان کے یہاں ممنوع ہے، سمجھا جاتا ہے کہ انگریزی عہد کے عام الحاد اور بے دینی نے ہندوؤں کو اس مذہبی پابندی سے آزاد کیا ہے، لیکن یہی سلیمان تاجر جس کے متعلق عرض کر چکا ہوں کہ تیسری صدی کی ابتداء کا آدمی ہے اپنی کتاب میں ہندوؤں کے اس رسم کا ذکر کرتے ہوئے یعنی ایک برتن میں مل کر کھانے کا رواج ان میں نہیں ہے، لکھتا ہے کہ

قاعدہ یہ ہے کہ ایک برتن میں دو آدمی بھی مل کر ان میں نہیں کھاتے اور نہ ایک دسترخوان پر

وہ کسی مخلوق کی نہیں بلکہ خالق سماوات وارض کی نمائندہ ہے اور بالفرض مان بھی لیا جائے کہ ان مورتیوں کو خالق ہی کی نمائندہ بنا کر جہلا نہیں تو ان کے خواص پوجتے ہیں جیسا کہ المسعودی کا بیان ہے تو سوال یہ ہے کہ ان مورتیوں کی شکل جیسا کہ میں نے عرض کیا آدمی کی ہوتی ہے یا جانور کی۔ آدمی میں بھی مرد کی یا عورت کی۔ پھر کیا ان لوگوں کے خیال میں خدا مردوں یا عورتوں کی یا عیاذاً باللہ جانوروں کی شکل رکھتا ہے اور خدا جو خود ہندوؤں کے نزدیک بھی نرنکار یعنی بےشکل ہے۔ جب اس کی کوئی صورت نہیں ہے تو صورت والی مورتی سے خدا کی طرف ذہن کو منتقل کرنے کے کیا معنی؟ کیا بلی کی تصویر سے طوطے کا تصور جمایا جا سکتا ہے، صاحب صورت اور صورت میں کسی قسم کا تعلق بھی تو ہونا چاہئے۔ رہا مخلوق ہونے کا تعلق، تو اس میں ان مورتیوں اور بتوں کی کیا خصوصیت ہے، اس لحاظ سے سارا آسمان وزمین وعالم کا ذرہ ذرہ خدا کی طرف ذہن کو منتقل کرنے کے لئے کافی ہے یہی وجہ ہے کہ اس توجیہ کو صرف بے تعصبی کی دلیل تو میں قرار دیتا ہوں لیکن صحیح توجیہ بت پرستی کی میرے نزدیک یہ نہیں ہے۔ خالق ہی کو پوجنا ہے تو اس کے لئے ان جھگڑوں کی کیا ضرورت ہے خصوصاً جب مسعودی خود بھی کہتے ہیں کہ عوام ان ہی کی وجہ سے واقعی شرک میں مبتلا ہو گئے۔ ۱۲

بیٹھ کر دو آدمی کھا سکتے ہیں اس کو سخت عیب خیال کرتے ہیں۔

اس نے لکھا ہے کہ

ہندوستان کے راجوں مہراجوں اور بڑے لوگوں کا قاعدہ ہے کہ ناریل کے پتوں سے روزانہ ان کے لئے ایک ایسی چیز بنائی جاتی ہے جو رکابی کی مانند ہوتی ہے اسی ناریل کے پتوں سے بنے ہوئے دونے برتن میں وہ کھاتے ہیں، کھانے کے بعد فوراً اس کو پھینک دیا جاتا ہے جس میں بچا کچا کھانا بھی رہتا ہے اور دوسرے دن پھر نیا دونا ان ہی پتوں کا بنایا جاتا ہے

یہ بیان کرنے کے بعد اس نے جو واقعہ بیان کیا ہے اس سے اس خیال کی قطعاً تردید ہوتی ہے کہ سمندر پار کے سفر کو ہندوؤں نے صرف انگریزوں کے زمانہ میں دینی کمزوری میں مبتلا ہونے کے بعد اختیار کیا ہے۔ سلیمان نے جو کچھ لکھا ہے لفظی ترجمہ اس کا درج کر دیتا ہوں۔ آپ خود دیکھ لیجئے کہ ایک دو نہیں دوسری اور تیسری صدی ہجری ہی میں سینکڑوں کی تعداد میں ہندو سمندر کو عبور کر کے اسلامی ممالک میں ان لوگوں کے پاس آتے جاتے رہتے تھے جن سے ان کے تجارتی کاروبار تھے میں تو خیال کرتا ہوں کہ مسلمانوں کے اعلیٰ اخلاقی برتاؤ نے ہندوؤں کو اپنا اتنا گرویدہ بنا لیا تھا کہ ان کے گھر کو وہ اپنا گھر خیال کرنے لگے تھے۔ آج یورپ و امریکہ جو جاتے ہیں تو اس میں بہت کچھ دخل ان مجبوریوں کو ہے جن پر غلام قوم بہرحال مضطر ہو جاتی ہے اور اپنے آقا کے مرضیات کی تکمیل میں ہر کردنی و ناکردنی کے ارتکاب پر آمادہ ہو جاتی ہے۔ لیکن ہم جس زمانہ کا قصہ آپ کو سنانا چاہتے تھے۔ کہہ چکا ہوں کہ ہندوستان کا یہ وہ زمانہ ہے کہ اس ملک سے سلیمان صحیح طور پر عموماً واقف بھی نہیں تھے اپنے ملک کا راج خود ہندوؤں کے اقتدار میں تھا۔ بہرحال قصہ یہ ہے۔ سلیمان کا بیان ہے

ہندوستان کے باشندے، جب سیراف آتے ہیں (یعنی ایرانی بندرگاہ جہاں سمندر ہی کے سفر کے بعد آدمی پہنچ سکتا ہے۔) اور سیراف کے ممتاز تاجروں میں سے کوئی تاجر ان کی دعوت کرتا ہے، عموماً یہ سَو یا سَو سے زیادہ یا کچھ کم ہوتے ہیں تو ضرورت ہوتی ہے، کہ ان میں سے ہر ایک کے پاس الگ الگ طبق رکھا جائے جس میں وہ سب کچھ رکھدیا جاتا ہے جسے وہ کھاتے ہیں، اس میں کوئی دوسرا قطعاً شریک نہیں ہو سکتا۔ ص ۱۴۶

(باقی آئندہ)

دیدارِ خداوندی

از حضرت مولانا محمد ادریس صاحب مدظلہ شیخ التفسیر دارالعلوم دیوبند

قرآن اور حدیث اور اجماع صحابہ اور تابعین سے یہ امر ثابت ہے کہ اہل ایمان جنت میں دیدار خداوندی سے مشرف اور سرفراز ہوں گے جس طرح وہ خداوند ذوالجلال بندوں کو دیکھتا ہے اور خود مکان اور جہت سے پاک اور منزہ ہے اور بندے مکان اور جہت میں ہیں اسی طرح عقلاً یہ بھی ممکن ہے کہ بندے اس خداوند ذوالجلال کو اس طرح دیکھیں کہ بندے تو کسی خاص سمت اور مکان میں ہوں اور وہ خداوند قدوس سمت اور مکان سے پاک اور برتر ہو رؤیت (دیکھنے) کے لئے یہ ضروری نہیں کہ جس شے کو دیکھا جائے وہ جسم ہی ہو اور کسی خاص سمت اور مکان میں ہو یہ تمام باتیں رؤیت کی شروط عادیہ ہیں عقلاً جائز ہے کہ رؤیت کی تمام شروط موجود ہوں لیکن اگر حق تعالے شانہ نہ چاہیں تو رؤیت نہ ہو۔ بلی اندھیری رات میں چوہے کو دیکھتی ہے مگر ہم نہیں دیکھتے۔ آسیب والا جنون کو دیکھتا ہے اور ان سے باتیں کرتا ہے مگر ہم نہیں دیکھتے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جبریل امین کو دیکھتے اور اُن سے باتیں کرتے مگر حاضرین مجلس جبریل امین کے دیدے سے محروم تھے۔ اسی طرح عقلاً یہ بھی جائز ہے کہ بغیر ان شروط مزعومہ کے رؤیت ہو سکے صورت اولیٰ میں رؤیت کی شروط موجود تھیں مگر رؤیت منتفی تھی۔ یہ صورت ثانیہ اس کا عکس ہے کہ شروط مزعومہ منتفی ہوں اور رؤیت متحقق ہو۔ آخر آج بھی تو حق تعالےٰ کو دل کی آنکھ سے بے کیف دیکھتے ہیں قیامت کے دن سر کی آنکھوں سے بے کیف دیکھیں گے۔

مکان کو بغیر مکان کے اور جہت کو بغیر جہت کے دیکھتے ہیں حالانکہ مکان کسی مکان میں نہیں اور جہت کسی جہت میں نہیں ورنہ تسلسل لازم آئے۔ اسی طرح اگر حق تعالےٰ شانہ بغیر مکان اور جہت کے نظر آئیں تو کیوں محال سمجھتے ہو۔ مکان اور جہت تو مخلوق خداوندی

میں جب وہ جہت اور مکان سے منزہ ہو کر نظر آسکتے ہیں ۔ تو خالق کون و مکاں کے دیدار کیلئے مکان اور جہت کی شرط کیوں ہے ۔ اور علیٰ ہذا رؤیت کے لئے مرئی کا احاطہ بھی شرط نہیں ۔ ہم آسمان کو دیکھتے ہیں ۔ مگر ہم آسمان کو محیط نہیں ۔ نیز رؤیت ۔ علم اور معرفت کی ایک خاص نوع ہے اور علم اور معرفت کے لئے معلوم کا کسی مکان اور جہت میں ہونا کسی عاقل کے نزدیک شرط ادراک نہیں پس جس طرح باری تعالےٰ کی معرفت بغیر کسی کیفیت اور صورت اور بغیر کسی مکان اور جہت کے ممکن ہے اسی طرح اس کی رؤیت بھی بغیر کسی مکان اور جہت کے ممکن ہے ۔

قال الاستاذ ابو القاسم القشیری سمعت ابا بکر بن فورك یقول سئل الاستاذ ابو سهل عن جواز رؤیة الله تعالیٰ من طریق العقل فقال الدلیل علیه شوق المؤمنین الیٰ لقائه و الشوق ارادة مفرطة و الارادة تتعلق بالمحال فقال السائل و من الذی یشتاق الیٰ لقائه فقال الاستاذ ابو سهل یشتاق الیه کل حر مؤمن فاما من کان مثلك فلا یشتاق ۔

استاذ ابو القاسم قشیری فرماتے ہیں ۔ کہ میں نے ابو بکر بن فورک کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ ایک مرتبہ استاذ ابو سہل سے یہ سوال کیا گیا کہ کیا عقلاً اللہ تعالیٰ کی رؤیت ممکن ہے فرمایا کہ لقاء خداوندی اور دیدار الٰہی کی طرف اہل ایمان کا اشتیاق یہ اس کے امکان کی دلیل ہے اس لئے کہ شوق ارادہ مفرط کا نام ہے اور ارادہ محال سے متعلق نہیں ہوتا پھر سائل نے یہ دریافت کیا کہ وہ کون ہے کہ جو اسکی لقاء کا مشتاق ہے فرمایا کہ ہر مخلص مسلمان لقاء خداوندی کا مشتاق ہے البتہ تجھ جیسا بے حس مشتاق نہیں ۔

کذا فی طبقات الشافعیة الکبریٰ فی ترجمة محمد بن سلیمان ابی سہل صفحہ ۱۶۳ ج ۲

حق تو یہ ہے کہ اشتیاق خلاف عقل نہیں بلکہ عدم اشتیاق خلاف عقل ہے عقلاً یہ کیسے ممکن ہے کہ انسان اپنے مربی اور محسن کی لقاء اور دیدار کا مشتاق نہ ہو جب کبھی کوئی پریشانی پیش آتی ہے تو نظریں اسکی طرف اٹھتی ہیں اور دل اس کی طرف دوڑتا ہے یہ اشتیاق نہیں تو اور کیا ہے ؟

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ کا کلام سنا ۔ کلام سے متکلم کا اشتیاق پیدا ہوا اور دیدار کی درخواست کی رب ارنی انظر الیک ۔ جواب ارشاد ہوا ۔ لن ترانی ۔ یعنی تم دیکھ نہ سکو گے اور میرے

جمال بے مثال کی تاب نہ لاسکو گے۔ موسے علیہ السلام کی یہ مشتاقانہ درخواست خود اس کے ممکن ہونے پر دلالت کرتی ہے اگر دیدار خداوندی کوئی محال چیز ہوتی تو خود موسی علیہ السلام سوال نہ فرماتے اور یہ ناممکن ہے کہ اللہ کے نبی کو یہ علم نہ ہو کہ کونسی چیز بارگاہ خداوندی میں ممکن ہے اور کونسی محال۔ نیز حق جل وعلا کا جواب خود اس کے امکان پر دلالت کرتا ہے اس لئے کہ جواب میں یہ فرمایا۔ لن ترانی تم نہیں دیکھ سکو گے اور یہ نہیں فرمایا کہ لن اُرَ میں نہیں دیکھا جا سکتا یعنی میری رؤیت ممکن نہیں اگر کوئی شخص کسی کے دامن یا برتن میں کھانے کی چیز سمجھ کر یہ کہے کہ اَعْطِنِیۡہِ لِاٰکُلَہٗ یعنی یہ چیز مجھ کو کھانے کے لئے دیدیجئے اگر وہ چیز جنس غذا اور جنس طعام ہی سے نہ ہو تو جواب میں یہ کہیں گے۔ اِنَّہٗ لَا یُؤْکَلُ۔ یہ چیز کھانے کی نہیں۔ اور اگر وہ چیز جنس طعام سے ہو تو یہ جواب دیں گے اِنَّکَ لَنْ تَاْکُلَہٗ یعنی تم نہیں کھا سکتے۔ مطلب یہ ہے کہ چیز اگرچہ کھانے کی ہے مگر تمہارا معدہ اس کو برداشت نہ کر سکے گا۔ اسی طرح حق تعالےٰ شانہ کا جواب میں لن ترانی فرمانا اس کا مطلب یہ ہے کہ اگرچہ میں اس قابل ہوں کہ دیکھا جاؤں میری طرف سے کوئی حجاب نہیں مگر تم میں دیدار کے تحمل کی قوت نہیں اس لئے تم مجھ کو اس وقت نہیں دیکھ سکتے۔ آخرت میں قوت تحمل عطا کر دیجائے گی اس لئے وہاں دیکھ سکیں گے دنیا دار فنا ہے اور آخرت دار البقاء ہے آخرت میں پہونچ جانے کے بعد نہ کسی کو موت آئیگی نہ کوئی بیمار ہوگا اور نہ کسی کو ضعف لاحق ہوگا جیسا کہ کسی شاعر نے کشمیر کی تعریف میں کہا ہے۔

گر مرغ کباب است با بال و پر آید   بر سوختہ جانے کہ بہ کشمیر در آید

ہر جگہ کی خاصیت جدا ہے بعض جگہوں کی آب و ہوا کمزور ہوتی اور بعض مقامات کی آب و ہوا قوی ہوتی ہے اسی طرح آخرت کو سمجھو کہ وہاں قوت ہی قوت ہوگی ضعف کا نام ونشان نہ ہوگا اس لئے وہاں پہونچکر دیدار خداوندی کا تحمل ہو سکے گا علاوہ ازیں کلمہ لن۔ کلام عرب میں نفی وجود کیلئے مستعمل ہوتا ہے۔ نفی امکان کیلئے نہیں آتا۔

خلاصہ کلام یہ کہ دیدار خداوندی عقلاً ممکن ہے اور مخبر صادق نے اس کے وقوع کی خبر دی ہے لہٰذا اس پر ایمان لانا واجب اور ضروری ہے ہاں اسکی حقیقت اور کیفیت سوائے اللہ تعالےٰ کے کسی کو معلوم نہیں عوام مومنین کو ہر جمعہ دیدار ہوگا اور خواص کو روزانہ صبح اور شام ہوگا اور عورتوں

کو عیدیں کے موقعہ پر آیات اور روایات حدیث کی تفصیل اگر درکار ہو تو حادی الارواح الی بلاد الافراح للحافظ ابن قیم کی طرف مراجعت کریں اور اگر عقلی دلائل مطلوب ہوں تو اتحاف شرح احیاء العلوم اور تقریر دلپذیر مصنفہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب قدس اللہ سرہ کیطرف مراجعت کریں واللہ سبحانہ وتعالے اعلم وعلمہ اتم واحکم اللّٰھم انی اسالک الرضا بعد القضا وبرد العیش بعد الموت ولذۃ النظر الی وجہک والشوق الی لقائک فی غیر ضراء مضرۃ ولا فتنۃ مضلۃ اللّٰھم زینا بزینۃ الایمان واجعلنا ہداۃ مہتدین فاطر السمٰوٰت والارض انت ولیی فی الدنیا والاخرۃ توفنی مسلماً والحقنی بالصالحین۔ آمین یا رب العالمین وصلی اللہ تعالے علی خیر خلقہ سیدنا ومولانا محمد وعلی آلہ واصحابہ وازواجہ وذریاتہ اجمعین۔ سبحان ربک رب العزۃ عما یصفون وسلام علی المرسلین والحمد للہ رب العالمین۔

حضرت صالح اور قوم ثمود

قرآن مجید کا ایک عبرتناک واقعہ

(از جناب مولوی سید ازہر شاہ صاحب قیصر دارالعلوم دیوبند)

حضرت آدم و حوا کی یہ نسل انسانی اپنے شروع حیات سے مخلوق ہونے کے باوجود خالق کل کی سرکشی و سرزوری اور مغلوب و مامور رکھے جانے کے باوصف غالب و آمر برحق کے جادۂ تسلیم و رضا سے انحراف کرنے کا ایک راسخ و جازم مذاق رکھتی ہے۔ ازمنۂ گذشتہ اور اقوام قدیم کے حالات و واقعات کے ہوشمندانہ مطالعہ سے قدم بقدم یہ واضح ہوتا ہے کہ گوشت پوست سے بنے ہوئے یہ ذرا سے حضرت انسان اپنی واضح مجبوریوں، شدید ناتوانیوں اور کھلی ہوئی بے اختیاریوں کے باوجود ہر وقت رب العزت کی نافرمانی اور اس کی طرف بلانے، اسکی یاد دلانے اور اس کے غضب و غصہ سے ڈرا دھمکانے والے خواب انبیاء و رسل کے مقابلہ و تکذیب پر اڑے رہے ہیں۔ باوجودیکہ قدرت الٰہیہ ضلالت و معصیت کے گہرے گہرے گڑھوں میں گرنے اور تباہی و غارتگری کے قعر دریا کے پہنچنے والے اپنے ان بندوں کی بر موقع دستگیری اور ان پر حفاظت و رہنمائی کا احسان کرتی رہی ہے۔ مگر کفر و شرک کی لذت انگیزیاں بہت تباہ کن، نفس کی خواہشات بڑی ستم شعار اور شیطان کی چالیں، بڑی باریک بڑی محیر العقول اور بڑی مؤثر ہوتی ہیں۔ علمبرداران حق کی ترغیب و ترہیب پر بھی انسان نے نہ سمجھا اور صحائف ربانی کی پیہم پر آوازوں پر بھی یہ خفتہ قسمت گناہ کی عارضی لذت و دلچسپی کے خواب دوشیں سے بیدار نہ ہوا۔ نتیجۃً خدائے قادر و توانا کے عذاب و عتاب نے کہیں بشکل طوفان انھیں آگھیرا اور چشم زدن میں بستی کی بستیاں اور آبادی کی آبادیاں پانی کے خوفناک ریلوں کی نذر ہو گئیں اور کہیں بصورت زلزلہ ان پر عرصۂ حیات تنگ کیا گیا اور منٹ بھر میں ملک کے ملک اور خطے کے خطے زمین پر دھم سے آگرے۔ کہیں آسمان نے اپنی بلندیوں سے خدا کی نافرمانی کے سبب اس مخلوق پر قسم قسم کی ہولناک مصیبتیں اور لرزہ خیز آفتیں پھینک ماریں اور کبھی زمین کا ذرہ ذرہ عقرب وار دربن کر ان پر حملہ آور ہوا۔ قرآن مجید نے ان برباد شدہ قوموں کے حالات صرف امت محمدی کی عبرت و نصیحت کیلئے جا بجا بیان فرمائے ہیں اور یہ بڑی نیکی اور بڑی سعادت ہے کہ ہم ان

قصوں کو سنکر ان سے عبرت پکڑیں۔ اپنے دل میں حکم خداوندی کی اطاعت کا جذبہ کامل پیدا کریں اور سب کچھ کرنے کی قدرت اور بہر نوع و بہر صورت ہر کام کر دینے کی طاقت رکھنے والے پروردگار حقیقی کی ناراضگی سے خوف کھائیں۔ ذیل میں قوم ثمود اور ان سے دعوت توحید دینے والے حضرت صالح علیہ السلام کے حالات اسی غرض سے پیش کئے جاتے ہیں کہ اہل بصیرت ان سے عبرت حاصل کریں اور خدا کی نافرمان مخلوق اس مہیب داستان سے سبق پکڑے۔

قوم ثمود

قوم عاد کے بعد عرب کی قدیم ترین اقوام میں یہ سب سے بڑی، سب سے مشہور و معروف قوم ہے۔ جسکی تباہی و بربادی کی داستان بڑی عبرتناک ہے۔ نزول قرآن سے پہلے بھی اس قوم کے قصے اہل عرب میں زبان زد عوام تھے۔ زمانۂ جاہلیت کے اشعار اور خطبوں میں بکثرت اس کا ذکر ملتا ہے۔ اسیریا کے کتبات اور یونان، اسکندریہ اور روم کے مورخین اور جغرافیہ نویس بھی اس کا ذکر کرتے ہیں، مسیح علیہ السلام کی پیدائش سے کچھ عرصہ قبل تک اس قوم کے آثار باقیہ عام طور پر پائے جاتے تھے۔ اور ان کی بستیوں کے کھنڈرات اور شہروں کی ٹوٹی پھوٹی فصیلیں، اور شہر پناہیں جا بجا نظر پڑتی تھیں۔ چنانچہ رومن مورخین کے تاریخی لٹریچر میں مذکور ہے کہ یہ لوگ رومن افواج میں بھرتی ہوئے اور رومیوں کی حمایت میں نبطیوں سے جو ان کے دشمن تھے لڑے اور بعض معرکۃ الآرا لڑائیوں میں اس قوم نے دل کھول کر داد شجاعت دی۔ اس قوم کا مسکن شمالی مغربی عرب کا وہ علاقہ تھا جو آج بھی الحجر کے نام سے موسوم و مشہور ہے۔ موجودہ زمانہ میں مدینہ اور تبوک کے درمیان حجاز ریلوے پر ایک اسٹیشن پڑتا ہے جسے مدائن صالح کہتے ہیں۔ یہی قوم ثمود کا صدر مقام اور دار السلطنت تھا۔ اور قدیم زمانہ میں بھی حجر کہلاتا تھا۔ اب تک اس علاقہ میں قوم ثمود کے کچھ نہ کچھ نشانات ضرور مل جاتے ہیں اور نزول قرآن کے زمانہ میں تو ان کے نشانات اور بھی زیادہ نمایاں تھے۔ چنانچہ حدیث میں مذکور ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ تبوک کے موقعہ پر جب ادھر سے گذرے تو آپ نے مسلمانوں کو یہ آثار عبرت دکھائے اور وہ سبق دیا جو آثار قدیمہ سے ہر صاحب بصیرت کو حاصل کرنا چاہئے ایک جگہ آپ نے ایک نشاندہی کر کے بتایا کہ یہی وہ کنواں ہے جس سے حضرت صالح کی اونٹنی پانی پیتی تھی اور مسلمانوں کو ہدایت کی کہ صرف اس کنوئیں سے پانی لینا۔ باقی کنوؤں کا پانی نہ پینا۔ ایک پہاڑی درے کو دکھا کر آپ نے فرمایا۔ اس درے سے وہ اونٹنی پانی پینے کے لئے آتی تھی۔ چنانچہ وہ مقام آج بھی "فج الناقہ"

کے نام سے مشہور ہے۔ ان کھنڈروں میں جو مسلمان سیر کرتے پھر رہے تھے۔ ان کو آپ نے جمع کیا اور ان کے سامنے ایک خطبہ دیا۔ جس سے ثمود کے انجام پر عبرت دلائی اور فرمایا کہ یہ اسی قوم کا علاقہ ہے جس پر خدا کا عذاب نازل ہوا تھا۔ یہاں سے جلدی گذر جاؤ کہ یہ سیر گاہ اور اس کے مناظر دیدنی نہیں بلکہ یہ رونے کا مقام اور عذاب زدہ علاقہ ہے۔ اس ارشاد سے آنحضرت کی منشا یہ تھی کہ ایسے عذاب زدہ علاقوں اور مقامات مطالعہ اپنی عبرت کے لئے تو جائز ہے۔ مگر ان سے مستقل دلبستگی اور دلچسپی مناسب نہیں اور بہتر یہ ہے کہ انسان ایسے مقامات سے دور ہی رہے۔

حضرت صالح اور ان کی تبلیغ حق

قضارا اس قوم میں بھی گفتار و کردار کی وہی خرابیاں پیدا ہو گئیں جو ان سے پہلے قوم عاد میں پیدا ہو چکی تھیں اور ان کے نام صفحہ ہستی سے حرف نادرست کی طرح مٹا چکی تھیں۔ ایک خدا کے بجائے انہوں نے سینکڑوں خدا اور ایک معبود کے بجائے انہوں نے ہزاروں معبود بنا ڈالے۔ خدا کی وحدانیت و حقانیت کا کوئی تصور ان کے ذہن میں نہ رہا۔ کوئی برائی برائی نہ رہی اور کوئی بدی بدی نہ سمجھی گئی۔ فتنہ و فساد ان کا شغل زندگی ٹھہرا، اور نفسانی ہوا و ہوس میں مبتلا رہنا ان کا شعار بنا۔ عورت، شراب، نغمہ و رقص اور چنگ و رباب عیاشانہ زندگی کے یہی آلات و ذرائع ہیں جو ہر بدبخت قوم پر مسلط ہوتے اور آخر الامر اسے زندگی کی بہار بے خزاں سے نکال کر موت و ہلاکت کی نار جہنم میں دھکیل دیتے ہیں۔ عیاشی کی بری سے بری کوئی صورت نہ تھی جس کا پیوند قوم ثمود کی زندگی کی قمیص سے نہ لگا ہوا ہو اور کفر و شرک کی کوئی معصیت نہ تھی جس کے بڑے بڑے ناگ اس قوم کے گھر میں بڑے چاؤ چونچلوں سے پالے نہ گئے ہوں۔ یہ حالت ہوئی تو رحمت الٰہیہ نے ان کی اصلاح پر توجہ دی اور حضرت صالح علیہ السلام کو پیغمبر بنا کر ان کی ہدایت و تعلیم کیلئے ان کی طرف بھیجا گیا جو اس قوم میں آئے اور نہ جانے کتنی مدت تک آوازوں پر آوازیں دیتے رہے۔ نعروں پر نعرے لگاتے رہے اور اس برگشتہ قسمت قوم کو ضلالت و گمراہی سے بچ کر راہ حق و صواب پر گامزن ہونے کی تاکیدیں فرماتے رہے۔ جیسا کہ خود قرآن کا ارشاد ہے کہ

والی ثمود اخاھم صالحا، قال یقوم اعبدوا اللہ ما لکم من الٰہ غیرہ (الاعراف)	اور ثمود کی طرف بھیجا ان کے بھائی صالح کو۔ بولا اے میری قوم! بندگی کرو اللہ کی کوئی نہیں تمہارا معبود سوا اس کے۔

مگر یہ زبوں طالع قوم پیغمبر الٰہی کی ان آوازوں پر خاموش اور ان کی تبلیغ و تعلیم سے بعید ان کے

کمالات نبوت کا مذاق اڑانے ان پر آوازے کسنے اور ان کے وجود با جود کو اپنی خوش طبعی اور دلبستگی کا ایک بے قیمت ذریعہ سمجھتی رہی ہے۔ یہی حال قوم ثمود کا تھا کہ ان سے فرماتے رہے حضرت صالح کی ان تاکیدات و تعلیمات پر توجہ نہ دی بلکہ سرے سے خدا کے اس پیغمبر ذی عزت ہی کو تنگ کیا۔ ان کی نبوت سے صاف طور پر منکر ہوئی اور آپ کی پیغمبری پر خوب لعن وطعن کی۔ قرآن نے قوم ثمود کی سرکشی اور نافرمانی کا ذکر ان الفاظ میں فرمایا ہے۔

قال الملاء الذین استکبروا من قومہ للذین استضعفوا لمن آمن منھم أتعلمون ان صالحا مرسل من ربہ قالوا انا بما ارسل بہ مومنون، قال الذین استکبروا انا بالذی آمنتم بہ کافرون (الاعراف)

کہنے لگے سردار جو متکبر تھے اس کی قوم میں غریب لوگوں کو جو ان میں ایمان لا چکے تھے۔ کیا تم کو یقین ہے کہ صالح کو بھیجا ہے اس کے رب نے۔ بولے ہم کو تو جو وہ لیکر آیا اس پر ایمان ہے۔ کہنے لگے وہ لوگ جو متکبر تھے جس پر تمکو یقین ہے ہم اس کو نہیں مانتے۔

صالح کی اونٹنی اور اس کا قتل

سب پیغمبران خدا کے ساتھ ایسا ہوتا چلا آیا ہے کہ جس قوم کی طرف وہ مبعوث کئے گئے اور جس کے لئے وہ کوئی شریعت یا کوئی کتاب لیکر آئے اسی قوم نے ان کی نبوت و پیغمبری میں شبہ کیا اور خدا کے خاص بندے اور خاص ایلچی ہونے کے سلسلہ میں ان سے بطور ثبوت کوئی نشانی طلب کی۔ چنانچہ بالکل ظاہر ہے کہ حضرت موسیٰ کا عظیم الشان معجزہ جو عصا کی شکل میں ظاہر ہوا۔ وہ ان کی قوم کے مطالبہ پر تھا۔ اور اپنے ماحول اور اپنے زمانہ کی ضرورتوں کو بدرجہ اتم پورا کرتا تھا۔ حضرت عیسیٰ نے کوڑھیوں، اپاہجوں اور اندھوں کے اعادۂ صحت کا معجزہ بھی ایسے ہی موقع پر پیش کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ کو منجملہ اور عبرتناک معجزات کے قرآن مجید ان کے زمانہ کی ضرورتوں کے مطابق عربی کلام کی فصاحت و بلاغت اور لسانی و فنی خوبیوں کے ایک معجزہ کے طور پر عطا ہوا تھا، قوم ثمود نے بھی حضرت صالح سے اسی قسم کا مطالبہ کیا۔ کیونکہ قوم ثمود میں سنگتراشی اور بڑے پتھروں اور پہاڑوں کو کاٹ چھانٹ کر ان میں عجیب عجیب محلات و مکانات اور دیدہ زیب نقش و نگار بنانے کا فن عام تھا اور یہی فن ان کا مابہ الامتیاز تھا۔ اس لئے قوم نے مطالبہ کیا کہ اگر آپ پتھر کی ایک ٹھوس چٹان سے حاملہ اونٹنی نکالدیں تو ہم آپ پر ایمان لے آئیں گے اور خدا نے حضرت صالح کی دعا سے ویسا ہی کر دیا کہ پتھر کی ایک بھاری بھر کم چٹان شق ہو گئی اور دفعتہً ایک بڑے ڈیل ڈول کی اونٹنی اس میں سے جھومتی جھامتی

باہر آکھڑی ہوئی۔

لیکن حضرت صالح نے اپنی قوم کو بتایا کہ یہ اونٹنی خدا کی قدرت اور میری صداقت کی نشانی ہے۔ جو میری دعا اور التجائے خاص پر غیر معتاد طریقہ سے خدا نے پیدا کی ہے۔ لہٰذا اس کے حقوق کی رعایت کرو اور اس کے شرائط و آداب کا پورا پورا لحاظ رکھو۔ مثلاً اسے خدا کی زمین میں مباح گھاس کھانے اور اس کی باری میں اسے پانی پینے سے نہ روکو، یہ جس کے کھیت میں چاہے کھائے اور چرتی پھرے۔ لیکن کوئی اسے ہاتھ نہ لگائے۔ اور کوئی اسے نہ روکے، اسی طرح تمام قوم کے جانور کنوئیں پر ایک دن پانی پئیں گے اور یہ اکیلی ایک دن۔

هذه ناقة الله لكم اية فذروها تاكل في ارض الله ولا تمسوها بسوء فياخذكم عذاب اليم (الاعراف)

یہ اونٹنی اللہ کی ہے تمہارے لئے نشانی۔ پس اسکو چھوڑ دو کہ کھائے اللہ کی زمین میں اور اس کو ہاتھ نہ لگاؤ (ورنہ) بری طرح تم کو پکڑ لیگا عذاب الیم۔

مفسرین لکھتے ہیں کہ وہ اونٹنی اس قدر عظیم الجثہ اور ڈیل ڈول کی تھی کہ جس جنگل میں چرتی وہاں سے دوسرے مواشی ڈر کر بھاگ جاتے اور اپنی باری کے دن جس کنوئیں سے پانی پیتی اس کنوئیں کو خالی کر دیتی گویا جس طرح اس کی پیدائش غیر معمولی طریقہ سے ہوئی لوازم و آثار حیات بھی اس کے غیر معمولی تھے، عرصہ تک تو قوم ثمود نے اونٹنی کو اور اس کے ان سارے کاموں کو برداشت کیا اور اس کے راستہ میں اس وجہ سے حائل نہ ہوئے کہ مبادا کہیں صالح کا کہنا صحیح نہ ہو جائے اور ہم اونٹنی کو ماریں یا قتل کریں تو کہیں صالح کا خدا ہم سے ناراض نہ ہو جائے اور ہم پر کوئی عذاب نہ نازل ہو۔ مگر شیطان نے خدا کی نافرمانی پر اسے اکسایا اور اونٹنی کو قتل کر دینے کی پرزور اور مؤثر تحریک کی۔ اسکی صورت یہ ہوئی کہ قوم ثمود میں ایک بدکار عورت تھی جس کے حسن جہاں سوز پر اس قوم کے نوجوان فریفتہ اور جس کے شباب و صحت پر نئی عمر کے لڑکے عاشق تھے۔ اس بدبخت نے اپنے ایک آشنا قدار بن سالف کو اونٹنی کے قتل کی تلقین کی اور اپنے کفر انگیز شباب کی عشوہ آرائیوں اور شب وصال میں قدار بن سالف کیلئے اپنے جمال سحر کار کی تابشوں کو اس کار خدمت کی قیمت مقرر کی۔ چنانچہ مآل کار سے بےخبر یہ حسن نسواں کا ایک فریفتہ اور کمند زلف کا ایک اسیر بے ہوش اٹھا اور اس نے دیوانہ وار اونٹنی کو قتل کر دیا۔

فعقروا الناقة وعتوا عن امر ربهم وقالوا یا صالح ائتنا بما تعدنا ان كنت من المرسلين (الاعراف)

پھر انھوں نے کاٹ ڈالا اونٹنی کو اور پھر گئے اپنے رب کے حکم سے اور بولے اے صالح! لے آ ہم پر جس سے تو ہم کو ڈراتا تھا اگر تو رسول ہے۔

قد افلح من زکّٰها ‘ وقد خاب من دسّٰها - کذبت ثمود بطغوٰها اذ انبعث اشقاھا ‘ فقال لھم رسول اللہ ناقۃ اللہ وسقیاھا فکذبوہ فعقروھا

(الشمس)

تحقیق مراد کو پہنچا وہ جس نے اسکو سنوار لیا اور نامراد ہوا جس نے اسے خاک میں ملا چھوڑا ‘ جھٹلایا ثمود نے (صالح کو) شرارت سے ‘ جب اٹھ کھڑا ہوا ان میں کا بڑا بد بخت ‘ پھر کہا اللہ کے رسول نے ان کو ‘ خبردار ہو اللہ کی اونٹنی سے اور اس کی پانی پینے کی باری سے پھر انھوں نے اس کو جھٹلایا - اور پاؤں کاٹ ڈالے -

قوم ثمود کی بربادی

چونکہ یہ اونٹنی رب جل علاء کی قدرت ونسبت کی ایک کھلی ہوئی مثال اور داعی حق ومبلغ صداقت حضرت صالح کی سچائی اور پیمبرانہ عظمت کا ایک واضح نمونہ تھی اسلئے اس کے قتل کا جرم ایسا نہ تھا - جس پر پروردگار کے غضب وغصہ میں جوش وجنبش نہ پیدا ہوجاتی - وہ ذات بے ہمتا ‘ جہاں بے حد متحمل و بے نیاز اور اپنے بندوں کے حق میں غفور الرحیم ہے - وہاں یہ بھی واقعہ ہے کہ اس کا غصہ بھی بے پناہ اور اس کا غضب بھی بے حد ہے - جب وہ لطف وکرم کی طرف مائل ہوتا ہے تو اپنی مخلوق کو رحمتوں پر رحمتیں اور نعمتوں پر نعمتیں عطا کرتا ہی نہیں گھبراتا کہ اس کے خزانہ غیب میں کبھی کمی نہیں آسکتی اور جب اس پر کیفیت غضب طاری ہوتی ہے تو وہ بسی بسائی دنیا کو ایک دہشتناک ویرانہ اور شاد وآباد زمانہ کو میدان حشر اور شورش گہ قیامت بھی بنانے سے نہیں جھجکتا کہ وہ اپنی مرضی کا خود ہی مالک ‘ اپنے ہر کام میں آزاد اور اپنے ہر فعل کا خود مختار ہے - حضرت صالح کی اس توہین ومقابلہ اور اونٹنی کے اس قتل پر رب العالمین نے ارادہ فرمالیا کہ قوم ثمود کو اس سے پہلی قوم عاد کی طرح آسمان عزت سے اٹھا کر ذلت ونامرادی کے فرش ناہموار پر دے پٹکے اور قدرتی طریقہ پر اس عذاب الیم کی صورت یہ تجویز ہوئی کہ قوم ثمود نے اپنی تمام مدت عمر میں پہاڑوں کو تراش تراش کر جو لمبے چوڑے مکانات اور منقش ومزین عمارتیں تیار کر رکھی تھیں اور اپنی ساری فنکارانہ استعدادوں کو صرف کرکے پتھر کے ہر بے ہنگم ٹکڑے کو ایک حسین وجمیل مجسمہ اور ہر بے ڈھنگی چٹان کو بنا سنوار کر نظر فریب ستون بنا رکھا تھا - حکم ہوا کہ یہ ساری بستیاں الٹ دی جائیں ‘ یہ سارے مکانات گرا دیئے جائیں - یہ سارے محلات اپنی بلندیوں سے گر کر زمین پر آپڑیں - یہ سارے ایوانہائے فلک پیما تہ وبالا کر دیئے جائیں یہ تمام قصر مرمریں اجاڑ اور بگھاڑ دیئے جائیں - اور یہ خوبصورت گنبد زرنگار یہ حسین

کنگرے اور بالائی منزلیں منہدم کردی جائیں - قوم ثمود کے یہ کمالات وکارنامے خود ان کے لئے وبال جان اور اس کی یہ ساری محنتیں اس کے حق میں مہلک بن جائیں کہ روشنی طبع ہمیشہ اپنے ہی لئے مضر ہوتی ہے چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ شدت کی ایک ایسی آفت نازل ہوئی جو خود قرآن کے الفاظ میں رجفۃٌ (اضطراب انگیز دہلا مارنے والی) بھی تھی اور صیحۃ (دردناک چیخ) بھی تھی - اسے صاعقہ (ہولناک کڑاکا) بھی کہا جا سکتا ہے اور طاغیہ (سخت زور کی آواز) بھی - قوم ثمود اپنے عیش وعشرت میں مست اونٹنی کی تجویز قتل کی کامیابی پہ مسرور اور حضرت صالح کے ارادہ قتل پر آمادہ تھی - اس نے سمجھا تھا کہ پیغمبر برحق حضرت صالح اور ان کے نشان صداقت یعنی اس اونٹنی کو قتل کر دینا اور اس طرح حق وصداقت کی نور افروز شمع کو بجھا دینا ان کے لئے سہل ہے کہ یکلخت یہ عذاب کا مرحلہ آپہنچا جو چل رہے تھے وہ گر گئے جو کھڑے تھے وہ لرزا ٹھے جو بیٹھے تھے وہ اوندھے منہ جا گرے جو لیٹے تھے وہ لیٹے ہی لیٹے دم توڑ گئے اور ذرا سی دیر میں وہ کچھ ہو کر رہ گیا جس کا نہ کچھ گن سن تھا اور نہ کوئی گمان وخیال - قرآن نے فرمایا ہے کہ

فاخذتھم الرجفۃ فاصبحوا فی دارھم جاثمین (الاعراف)

پس آپکڑا ان کو زلزلہ نے پھر صبح کو رہ گئے اپنے گھروں میں اوندھے پڑے -

انا ارسلنا علیھم صیحۃً واحدۃ فکانوا کھشیم المحتظر (القمر)

ہم نے بھیجی ان پر ایک چنگھاڑ دھیر رہ گئے جیسے روندی ہوئی بار کانٹوں کی (یعنی بحالت شکستگی وخستگی مر گئے)

فدمدم علیھم ربھم بذنبھم فسوّٰھا ولا یخاف عقباھا (الشمس)

پھر الٹ مارا ان پر ان کے رب نے بسبب ان کے گناہوں کے - پھر برابر کر دیا سب کو اور وہ نہیں ڈرتا پیچھا کرنے سے -

قیصر کاشمیری

فتاویٰ دار الافتاء دار العلوم دیوبند

کیا فرماتے ہیں علمائے دین شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک درکشاف میں اکثر غریب مسلمان مزدور کام کرتے ہیں۔ تنخواہ ملنے سے بیشتر اکثر غریب مجبور ہو کر ادھار لینے کے لئے بیتاب ہوتے ہیں۔ کئی ہندو کلرکوں کے پاس ذلت اور شرمندگی سے دست دراز کرتے ہیں اور اکثر آنہ فی روپیہ سود پر ادھار لیتے ہیں۔ ان کی یہ مجبوری اور ذلیل حالت دیکھ کر اور سود سے بچنے کیلئے میں نے ادھار روپے دیئے جو کبھی کبھی ۲۵۰ روپے تک ہو جاتے ہیں میرے پاس دوسروں کے پیسے رہتے ہیں اور ان سے روپے پھیرانے کیلئے اکثر اجازت لی جاتی ہے۔ ایک دن خیال آیا کہ پیسے غیروں کے کب تک رہینگے۔ اسلئے خیال آیا کہ ایسا طریقہ اختیار کرنا چاہئے جو ضرورتمندوں کی ضرورت ان ہی کے جمع کردہ پیسوں سے پوری کی جائے۔ اکثر مسلمانوں کو پیسے جمع کرنے کی عادت نہیں۔ جو وقت پر کام آوے۔ لہذا ایک نمونہ اختیار کیا۔ جس کا نام (ادھار فنڈ) رکھا گیا۔ یعنی جو ضرورت مند ماہوار کم از کم چار آنے اور زیادہ جتنا بھی جمع کر لیگا۔ اس کو ادھار دیا جائیگا۔ ادھار ضرورت کے موافق ہوگا۔ ایماناً واخلاقاً یہ ادھار فنڈ کی کتاب میں نوٹ کیا گیا کہ ادھار فنڈ سے جتنے بھی پیسے جمع ہوں گے ان میں سے ایک پائی بھی اپنے ذاتی کام میں لگانا حرام ہے۔ جتنی بھی رقم جمع ہوگی وہ ضرورت مندوں کیلئے بڑھتی جائیگی۔ اگر میں کارخانہ چھوڑ گیا تو یہ امانت ایک ایماندار اور عقلمند شخص کے حوالہ کی جائیگی اور یہ پیسے درکشاف والوں کے ہی لئے رہینگے۔ اس طریقہ سے ایک سال میں ۳۵ روپے جمع ہو گئے۔ لیکن کچھ آدمی میرے خانگی باتوں میں جھگڑے اور پھر بدنام کرنا شروع کیا کہ ادھار پر سود لیتا ہے۔

الجواب

آپ اس میں اس قدر ترمیم کر دیں تو اچھا ہو کہ جو مقدار چار آنے یا آٹھ آنے وغیرہ کی آپ وصول کرتے ہیں اس کے متعلق دینے والوں سے یہ فرما دیں کہ یہ وقف کرنے کی نیت سے دیں۔ منقول کا وقف علی القول الصحیح جائز ہے۔ پس یہ مجموعہ جمع ہوتا رہیگا اور دینے والوں کو واپسی کے مطالبہ کا کوئی حق نہ ہوگا۔ اس میں یہ شرط بھی ہو سکے گی کہ جو لوگ اس طرح تھوڑی تھوڑی آمدنی وقف کریں گے ان کو ہی قرض دیا جائیگا اگر وقف نہ کرایا گیا تو اس رقم کے جمع کرنے والوں کو حق رہیگا کہ اپنی رقم جب چاہیں واپس لے لیں دوسری

دشواری یہ ہوگی کہ عطیہ قرض شمار کیا جاویگا اور بکل قرض جر نفعاً الخ کے مطابق جو لوگ قرض لینگے - ان کے لئے کراہت سے خالی نہ ہوگا۔ یہی یہ بات کہ کچھ لوگ اس صورت میں آپ کے مخالف ہوگئے ہیں آپ اس کی پرواہ نہ کریں مسلمانوں یا غربا کی بھلائی کی جو صورت آپ نے اختیار کی ہے اس سے مقصود ثواب آخرت ہے وہ انشاء اللہ آپ کو ملیگا - آپ کو برا کہنے والے گناہگار ہونگے - فقط

محمد اعزاز علی غفرلہٗ

استفتاء

فجر کے فرض جماعت سے پڑھے - سنتیں رہ گئی تھیں - اسی شخص نے مسئلہ کی ناواقفیت کی وجہ سے وجہ سے فرضوں کے بعد ہی سورج نکلنے سے پہلے سنتیں پڑھنی شروع کردیں ایک دوسرے شخص نے اس کی نیت توڑوادی - نیت کا توڑ دینا درست ہے یا اس کو پڑھ لینے دیا جاتا -

الجواب

نیت کا توڑوا دینا درست ہوا کیونکہ صلوۃ فجر کے بعد طلوع شمس سے قبل قضاء فوائت کا صلوۃ جنازہ کے سوا کسی اور نماز کا پڑھنا جائز ہی نہیں ہے اور جبکہ اس نے اس وقت میں سنتوں کو شروع کیا تو ایک ایسے امر کی جو مکروہ تحریمی اور ناجائز تھا شروع کیا - پس اس سے بچا دینا ہی بہتر تھا قاضی خان میں ہے وتسعۃ اوقات یجوز فیہا قضاء فوائت وصلوۃ الجنازہ ولا یجوز فیہا نفل لہا سبب کالمنذور ورکعتی الطواف وتحیۃ المسجد اولم یکن لہا سبب بعد طلوع الفجر قبل صلوۃ الفجر لا یجوز الا سنۃ الفجر وبعد الفریضۃ قبل طلوع شمس - اور درمختار میں ہے وکرہ نفل وکل ماکان واجباً لا لعینہ بل لغیرہ کمنذور ورکعتی طواف والذی شرع فیہ فی وقت مستحب او مکروہ ثم افسدہ ولو سنۃ الفجر بعد صلوۃ الفجر وقال فی ردالمحتار تحت قولہ وکرہ نفل والکراہیۃ ہہنا تحریمیۃ کما صرح بہ فی الحلیۃ ولذا عبر فی الخانیۃ والخلاصۃ بعدم الجواز والمراد عدم الحل لا عدم الصحۃ وفقط

واللہ اعلم الجواب صحیح محمد اعزاز علی غفرلہ

استفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ ایک پیش امام مسجد ہے اس کو ایک مقتدی نے ناجائز گالی دی امام مسجد نے کوئی اس کا نقصان بھی نہیں کیا ہے مار پیٹ کرنے کے واسطے بھی مقتدی نے حملہ کیا ہے مگر اس کو کافی لوگوں نے پکڑ لیا ہے - اس شخص نے اس امام کے پیچھے اقتدا بھی کی ہوئی ہے - اس کے واسطے شرع محمدی

میں کیا حکم ہے۔

الجواب

اولاً مسلمان کی توہین آبرو ریزی بھی بہت بری چیز ہے امام مسجد کی توہین تو بہت زیادہ قبیح ہے خصوصاً یہ کہ امام مسجد کو مارنے کے لئے حملہ کرنا۔ یہ شخص گناہ کبیرہ کا مرتکب ہے اس کو توبہ کرنا اور امام مسجد سے معاف کرانا ضروری ہے۔

محمد اعزاز علی غفرلہ

حسب ذیل سوالات قابل تفسیر ہیں

(۱) نابالغوں کے نکاح میں ایجاب وقبول الفاظ ان کے ولی کو ادا کرنے چاہیں۔ یا کیا۔

(۲) نابالغ کا نکاح منعقد ہونے کے لئے کن کن امور کی ضرورت ہے۔

(۳) اگر امور مذکورہ ادا نہ ہوں تو نکاح معتبر ہوگا یا غیر معتبر رہے گا۔

(۴) نکاح غیر معتبر ہونے کی حالت میں زر مہر واجب الادا ہوگا یا نہیں۔

(۵) اگر کسی عورت کا ایجاب وکیل کی معرفت ہو تو قبولیت بھی معرفت وکیل ہونی ضروری ہے یا نہیں

(۶) اگر کسی بالغہ کا باپ کسی شخص کو دھوکہ دے کر اپنی لڑکی کو نابالغہ بتلا کر عقد کرنا چاہے اور وہ بعد رسوم عقد بالغہ ثابت ہو اور وہ اپنے شوہر سے جماع کرنے سے مانع ہو اور شوہر اس کو چھوڑ دے تو شوہر پر مہر کا بار پڑ سکتا ہے یا نہیں فقط

الجواب

(۱) نابالغوں کے نکاح میں ان کے اولیاء کو ایجاب وقبول کے الفاظ ادا کرنے چاہیں لیکن اگر بچے سمجھدار ہوں تو اولیاء کی اجازت کے بعد اس کا ایجاب وقبول بھی معتبر ہے۔

(۲) جن جن امور کی ضرورت بالغوں کے نکاح کے لئے ہے ان تمام امور کی ضرورت نابالغوں کے لئے ہے اس کے علاوہ یہ شرط اور بھی کہ ان کا نکاح ان کے اولیاء کرادیں بالغوں کے لئے یہ شرط نہیں ہے بالغ اپنا نکاح خود کر سکتے ہیں۔

(۳) جو امور صحت نکاح کیلئے ضروری (شرط) ہیں ان کے بغیر نہ بالغوں کا نکاح صحیح ہوگا نہ نابالغوں کا۔

(۴) اسکی ضرورت پوری تحریر فرمائے تو جواب دیا جاسکے گا کیونکہ اس کے جزیات متعدد ہیں۔

(۵) صحت نکاح کے لئے ضروری ہے کہ عاقدین خود یا دونوں کے وکیل یا ایک جانب سے وکیل دوسری جانب سے اصل ایجاب قبول کریں یا اولیاء

فضولی کے ذریعہ سے جو ایجاب وقبول ہوتا ہے اس نکاح کا لزوم شخص غایب کی اجازت پر موقوف رہتا ہے۔

(۶) جب کہ یہ فاحشہ عورت اپنے شوہر کو جماع سے مانع ہے تو یہ خلوت بھی صحیح نہ ہوئی جو موجب ادائے کل مہر ہے۔

درمختار علی حاشیہ الشامی صفحہ ۴۷۲ ج ۲ میں ہے

ولم لم تمکنہ فی الخلوۃ فان بکراً صحت والالا لان البکر انما توطأ کرھا د طحطاوی علی الدر المختار صفحہ ۵۶ ج ۲ میں ہے) ولو لم تمکنہ فی الخلوۃ ففیہ اختلاف المتاخرین کما فی الذخیرۃ والقنیۃ واختار الطرسوسی نقفھا من عندہ انھا ان کانت بکراً صحت الخلوۃ لانھا لا توطأ الاکرھا وان کانت ثیباً لا تصح لعدم تسلیم البضع اختیاراً فکانت راضیۃ باسقاط حقھا۔ پس اس صورت میں اگر شوہر طلاق دیدے گا تو نصف مہر واجب ہوگا کیونکہ نہ جماع ہوا نہ خلوت صحیحہ۔ محمد اعزاز علی غفرلہٗ

استفتاء

جناب عالی گذارش ہے کہ ایک شخص کے دو بیویاں تھیں اور ان دونوں بیویوں سے دو (۲) لڑکیاں ہوئیں اب وہ لڑکیاں ایک خاوند کے گھر رہنے پر رضا مند ہیں مگر وہ آدمی جس کے گھر رہنا چاہتی ہیں وہ کہتا ہے کہ اگر شریعت مجھے اس کام کی اجازت دے گی تو اس کام کو کروں گا کیونکہ نہ معلوم کہ سوتیلی بہنیں ایک آدمی کے گھر میں رہنا جائز رکھتی ہیں یا کہ نہ ایک شخص اور کہتا ہے کہ ہمارے گاؤں میں ایک مسئلہ اور کہلا ہے کہ اس کی پڑتال بھی منگانی ہی پڑے گی۔

(۲) ایک لڑکے کے گھر شہر انبالہ کی بیوی آئی جو کہ عملدار ہے اور شریعت سے واقف اور خاوند کی نماز سے بھی سخت ناراض ہے کہ کبھی زندگی میں مسجد بھی نہیں دیکھتی پہلے وہ اپنے خاوند کو نصیحت کرتی رہی پھر زور سے بھی کہا سنا مگر نتیجہ یہ ہوا کہ ہار کھائی اب وہ اس کے گھر رہنے سے ناراض ہے اور کہتی ہے کہ شریعت ایسے خاوند سے عورت کو اجازت دیتی ہے کہ عورت خاوند کو چھوڑ سکتی ہے۔

(۳) مہر میں لڑکی کے والدین کا حق ہے یا نہیں۔

(۴) اور ادا کرتے وقت عورت کے ماں باپ کا حاضر ہونا بہتر ہے یا کہ نہیں۔

(۵) لڑکے کی شادی میں لڑکے کا عقیقہ ہو سکتا ہے یا کہ نہیں

(۶) گائے کے عقیقہ میں اجازت کس صورت میں ہے

(۷) لڑکی کی شادی میں لڑکے کا عقیقہ ہو سکتا ہے یہ بھی تحریر فرما دیں۔

الجواب

(۱) یہ دونوں لڑکیاں ایک باپ سے پیدا ہیں ان کو شرعاً علاتی بہنیں کہا جاتا ہے اور دو بہنیں ایک شخص کے نکاح میں ایک ساتھ جمع نہیں ہو سکتی ہیں۔ خواہ حقیقی بہنیں ہوں یا علاتی یا لقولہ تعالیٰ واخواتکم۔ الخ

(۲) جب تک کہ اس کا یہ خاوند مر نہ جاوے یا طلاق نہ دیدے اس کا یہ نکاح باقی رہے گا اور کسی دوسرے شخص سے نکاح کی اجازت نہ ہوگی

(۳) عورت کی زندگی میں مہر خود اس کا اپنا حق ہے اس میں کسی دوسرے شخص کی شرکت نہیں اس کے مرنے کے بعد جس طرح اس کا اور مملوکہ مال وارثوں پر تقسیم ہوگا اسی طرح مہر بھی تمام وارثوں پر تقسیم ہوگا

(۴) مہر ادا کرتے وقت گواہ ہونے چاہیں تاکہ اگر جھگڑا پیش آ دے تو گواہوں کے ذریعہ سے عدالت میں اصلیت معاملہ کی ظاہر ہو سکے اگر ماں باپ ہوں گے تو ان کی گواہی بیٹی کی موافقت میں معتبر نہ ہوگی

(۵) لڑکے کی شادی میں بھی لڑکے کا عقیقہ کیا جا سکتا ہے۔

(۶) گائے کو بھی عقیقہ میں قربان کیا جا سکتا ہے خواہ پوری گائے یا اسکا ایک حصہ جس صورت پر قربانی ادا ہوتی ہے اسی صورت سے عقیقہ بھی

(۷) لڑکی کی شادی میں بھی لڑکے کا عقیقہ ہو سکتا ہے اگر پیدائش کا دن یاد ہو تو اچھا یہ ہے کہ اس سے ایک دن پہلے عقیقہ کیا جائے تاکہ ساتواں دن ہو جائے مثلاً لڑکا جمعہ کو پیدا ہوا تھا تو پنجشنبہ کو عقیقہ کر دیا جاوے اور اگر دن یاد نہ ہو تو ضرورت نہیں کہ دن تلاش کیا جاوے جس دن چاہیں کر دیں۔

محمد اعزاز علی غفرلہٗ

منادی ہم نے سب سے پہلے کوہ فاران پرستی تھی اور جس کا آسمانی پیغام کوہ ابوقبیس وہمالیہ کی چوٹیوں اور ٹیگس اور گنگا کی لہروں تک کو ہم نے سنایا تھا۔ اب اس خود دار وخود آزما حیات قومی نے ہمارا ساتھ چھوڑ دیا ہر طرح ہم ذلیل و بے حیثیت ہو رہے ہیں وہ آفتاب جو اپنے مطلع اصلی مشرق سے نکلتا تھا کیسی قیامت ہے کہ افق مغرب سے طلوع ہو رہا ہے۔

مری بربادیوں کے مشورے کو　　　فلک جھک جھک کے ملتا ہے زمیں سے

پچھلی صدی تک دنیا میں ہماری پچیس سلطنتیں تھیں ان میں سے چوبیس دریا برد ہو گئیں صرف ایک باقی رہی ہے اس کے برباد کرنے کے لئے بھی طوفان اٹھایا جا رہا ہے ایک زمانہ تھا کہ ہم آسمان شوکت وحشمت کے آفتاب تھے آج شامت اعمال سے ہمیں یہ روز سیاہ دیکھنا نصیب ہوا کہ آسمان سے جو بلا بھی نازل ہوتی ہے ہمارے سیاہ خانہ کو پوچھتی ہوئی نازل ہوتی ہے۔ آئے دن نت نئی مصیبتیں ہم پر بارش کی طرح برستی رہتی ہیں ایک آفت سے ہمیں نجات نہیں ملتی کہ ہماری سیہ بختی ان لفظوں میں دوسری مصیبت کا ہمیں مژدہ سنا دیتی ہے۔

فلک سے پھر ہوئی نازل بلائے ناگہاں کوئی　　　مبارک خانہ بربادی پھر اترا مہماں کوئی

ہم ہیں کہ اس فاقہ مستی میں مگن ہیں اپنی ذلت کی یہ نوبت پہونچ گئی کہ آقا سے غلام بن گئے مگر دوسری اقوام کو ضرور حقارت کی نظر سے دیکھیں گے۔ ترقی ترقی کا شور کر کے آسمان سر پر اٹھا لیں گے مگر یہ ناکام شور کسی ہجران نصیب شاعر کی اس دعا کی طرح بے اثر ہوگا جو اس نے انتہائی مایوسی میں مانگ کر دل کو سمجھا لیا تھا۔

مانگا کریں گے اب سے دعا ہجر یار کی　　　آخر تو دشمنی ہے اثر کو دعا کے ساتھ

ہم کو کبھی اس پر غور کرنے کی توفیق نہ ہوگی کہ ترقی کے اصول کیا ہیں اور آیا ہمارے پاس بھی کچھ ذخیرہ موجود ہے جس سے ہم ترقی کر سکیں اور یہ کہ ترقی یافتہ قوموں نے وہ اصول کہاں سے اخذ کئے جن کے ذریعہ سے وہ ترقی یاب ہو رہی ہیں ہمارا جوش وخروش زبانوں یا اخبارات کے کالموں تک محدود ہے اور بس ہم کبھی بھول کر اس کا لحاظ نہ کریں گے کہ دوسرے شخص کو ہدایت کرنے سے پیشتر ہمیں اس راہ ہدایت کو طے کر لینا چاہئے ہم نے اپنی قوی جسمانی وروحانی کو بے حس و بیکار کر دیا ہے ہم مریض ہیں مگر وائے حسرت کہ ان ناکام مریضوں کی فہرست میں ہمارا نام ہے۔۔۔۔

جنھیں یہ بھی خبر نہیں ہے کہ ہم مریض ہیں جن کی بے حسی و غفلت نے انہیں موت کے کنارے لا کھڑا کر دیا ہے۔

اپنی شاندار ماضی کو اس لئے یاد نہیں کرتے کہ اس سے مستقبل کو خوشگوار بنانے کے لئے تحریک عمل پیدا ہو۔ بلکہ پدرم سلطان بود کی صدائے بے اثر سے اپنے حریفوں کو اپنا تفوق تسلیم کرانے کی غرض سے اسلاف کی استخوان فروشی کو مایۂ ناز سمجھتے ہیں اور اپنے دل کو یہ کہہ کر تسلی دے لیتے ہیں کہ۔

عشق نے غالب نکما کر دیا ورنہ ہم بھی آدمی تھے کام کے...

ہم اپنی بلند پروازیوں میں جب ہوتے ہیں قصر حمرا میں سوتے ہیں اُٹھتے ہیں تو قیصر و کسریٰ کے تخت الٹتے ہوئے اٹھتے ہیں چلتے ہیں تو بحر اوقیانوس کو عبور کرتے ہوئے چلتے ہیں بیٹھتے ہیں تو تمام افریقہ ہماری زیر حکومت ہوتا ہے ہماری کوئی ایسی ادا نہیں ہے کہ (ہمیں دست تصرف ہے قناعت کے خزانے پر) کا پہلو اس سے نمایاں نہیں ہوتا۔ تو کیا واقعی ہماری اپنی شکستگی پر یہ قناعت یا بالفاظ دیگر گیدڑ کا بسیرا اس قابل ہے کہ مستقبل کو زریں بنانے میں ہمیں کامیاب کرے مانا کہ ہماری شاندار ماضی کی ترقیوں کو تاریخ کی تنگ دامانی کا گلہ ہے یہ بھی سہی کہ ہماری حکومت کی وسعت کبھی جغرافی حدود سے بے نیاز تھی تسلیم کہ ہمارے قوانین ترقی اختلاف آب و ہوا سے بے پروا ہیں اور ہمارے مذہب کی نور بیز شعاعیں بلندی و پستی خشکی و تری کے لئے یکساں ضو فشانی کر رہی ہیں لیکن کیا محض زبانی دعوی ہمارے درد کی دوا بن سکتا ہے یا ہماری نکبت و ذلت کے سوال کا یہ صحیح جواب ہو سکتا ہے کہ اباء و اجداد آسمان عزت کے آفتاب تھے نہیں تو کس چیز نے قانع بنایا ہے کہ ذلت کی زندگی گذار کر دوسری اقوام کو اس تعدی کا موقع دیں کہ اسلام اس مذہب کا نام ہے جس میں دینی و دنیوی ترقیوں سے محروم رکھ کر انسان کو ذلت کی زندگی بسر کرنے کی تعلیم دی جاتی ہے۔

آج کوئی نافہم اگر مسلمانوں کی شکستگی سے اسلام کے ناقص ہونے پر استدلال کرے تو اس کو یاد رکھ لینا چاہئے کہ اس صدی میں اسلام اور مسلمان دو متناقص مفہوم ہو گئے ہیں۔ اسلام اس پاکیزہ مذہب سے عبارت ہے جس میں اخلاقی و روحانی تعلیم بدرجہ اتم موجود

ہو جس کے اصول معاشرت وعبادت وفطرۃ کی صحیح تصویر ہوں جس میں یہ پاکیزہ اخلاقی تعلیم ہو صل من قطعک واعف عمن ظلمک واحسن الی من اساء الیک - صلہ رحمی کر اس سے جس نے تیرے ساتھ قطع رحمی کی درگذر کر اس سے جس نے تجھ پر ظلم کیا اور اس کے ساتھ بھلائی کر جو تجھ سے برائی سے پیش آیا - جس کے دامن میں اگر ایک طرف ہر قسم کی دینوی ترقیوں کا ذخیرہ ہے تو دوسری جانب نجات ابدی کے خوش گوار پھول موجود ہیں -

اور مسلمان اس ہستی کا نام ہو گیا ہے جو باوجود سب کچھ ہونے کے کچھ بھی نہ ہو جسکی بربادی کی خود اسی کی شامت اعمال بلا شرکت غیری کفیل ہو گئی ہو -

جس کی بدمزاجی اس درجہ تک پہونچ گئی ہو کر اپنی بیش بہا پونجی کو دوسروں کے سپرد کر کے ان کی جنس نا روا کو اپنے تصرف میں لا کر یشترون الضلالۃ بالھدیٰ کی صحیح مصداق بن گئی ہو بزرگوں کی استخوان فروشی جس کا انتہائے تفاخر ہو گیا ہو -

الیوم اکملت لکم ما وفقنی اللہ ذوالاکرام واسئل حمیۃ الاسلام -

مسلمانوں سے خطاب

از

جناب سید مظفر الدین صاحب پرنسپل اسلامیہ کالج چاٹگام

مسلمانو! تمھیں ہو غایتِ تخلیق انسانی
تمھیں سے وادی ایمن کی ہے یہ جلوہ سامانی

مسلمانو! تمھیں ہو فخر موجودات عالم میں
خلائق میں تمھیں ہو نائب محبوب سبحانی

جو تم میں نور حق ہے، اس سے دنیا جگمگا اٹھی
تمھارا سینہ سینائی تمھارا دل ہے فارانی

تمھیں نے درس عرفاں دیکے عالم کو کیا روشن
تمھاری وجہ سے ہیں منکشف اسرار پنہانی

خدائے پاک نے خیر الامم تم کو بنایا ہے
فضیلت کی تمھاری ہیں دلیل آیات قرآنی

خلافت کے تمھیں قابل امانت کے تمھیں حامل
فرشتوں سے بھی بڑھ کر ہے تمھاری ذات انسانی

حقیقت کے تمھیں قائل صداقت پر تمھیں عامل
تمھارا قلب ہے سرچشمۂ الطاف ربانی

زمیں سے آسماں تک سب تمہارے زیر فرماں ہیں
کسے حاصل ہے یہ فرمانروائی اور جہانبانی

تمدن میں ہو تم بے مثل اور تہذیب میں یکتا
سیاست میں ہو تم فائق، عدالت میں ہو لاثانی

حکومت میں ہو تم کامل، تدبر میں ہو تم ماہر
تمہیں سے خلق نے سیکھا ہے آئین جہانبانی

تمہارا عہد ماضی شہرۂ آفاق ہے اب تک
تمہیں پر ختم ہے دنیا کی کسرائی و خاقانی

غضب ہے تم ازل کا عہد و پیماں بھول بیٹھے ہو
تمہیں ہے فکر دنیا اور ہوائے لذت فانی

جب آتی ہے مصیبت تو خدا کو یاد کرتے ہو
پر اپنے فعل پر تم کو نہیں ہوتی پشیمانی

سدھرنے کی تمہارے کوئی صورت ہے زمانے میں
نہ پاکیزہ عمل ہے اور نہ کوئی وصف روحانی

تم اپنے شامت اعمال سے رسوائے عالم ہو
نہ تم میں ہے جوانمردی، نہ وہ اخلاق انسانی

خدا ترسی نہ ہو جب اور نہ ہو حسن عمل تم میں
تو لاحاصل ہے دنیا کی شہنشاہی و سلطانی

دلوں میں جب تمہارے قوت ایماں نہیں باقی
کرے کیا نور سینائی، کرے کیا برق فارانی

کہو کس منہ سے کرتے ہو مسلمانی کا تم دعویٰ
اگر تم میں نہ ہو جوش بلالی، عشق سلمانی

اگر تم میں نہیں تنظیم اور تہذیب اسلامی
تو ہے بے فائدہ آئین رومی، عقل یونانی

اٹھا دو امتیازات و نسل اب اے مسلمانو
بنو تم مومن صادق، نہ قحطانی نہ عدنانی!

حکومت دین و دنیا کی تمہارے بس میں اب بھی ہے
تمہاری قوم گر ہو لیلئ مذہب کی دیوانی.

تمہارے پائے استقلال میں لغزش نہ آئیگی
اگر زیر نگیں تم کر سکو جذبات نفسانی؟

اگر عزت سے رہنا چاہتے ہو تم تو یہ سن لو
ضروری ہے تمہارے واسطے ایثار و قربانی

کہاں تک میں سناؤں درد دل کی داستاں تم کو
دعا پر ختم کرتا ہوں اب اپنی نظم طولانی

مظفر کی دعا ہے ہوں مسلماں مومن کامل
عمل ہو ان کا اسلامی، سخن ہو انکا حقانی

دار العلوم دیوبند مسٹر اسمتھ کی نظر میں

(از جناب مولٰنا مولوی عزیز احمد صاحب فاضل دیوبند بی۔ اے۔ جامعی ناظم جمعیۃ الطلبۃ دار العلوم دیوبند)

بریلوی طرز فکر ہندوستان میں بہت اہمیت رکھتا ہے۔ لیکن اب وہ جان بلب ہے۔ یہ طرز فکر غیر ترقی یافتہ عوام کی مذہبی و سماجی رسوم کے احیاء اور تبلیغ کی سعی کرتا ہے یعنی اس تہذیب کی جو مغلوں کے جاگیردارانہ نظام کے اختتام پر برطانوی سامراج ہمراہ آنے والی جدید تہذیب کی ابتداء سے پہلے وجود میں آئی ہے

مذہبی حیثیت سے یہ نقطۂ نظر حنفی ہے اس کے یہاں اجتہاد کا دروازہ مسدود ہے اور سماجی اعتبار سے یہ ایک مصالحت جو نظریہ ہے غالباً صرف شراب نوشی یا اسی قبیل کی چیزوں پر نگاہ رکھتا ہے لیکن اسی کے ساتھ ساتھ ایجِ الوقت توہم پرستی، پیر پرستی وغیرہ جیسی بوسیدہ رسوم پر سختی سے اڑا ہوا ہے بریلوی مولوی ہندوستان کے پسماندہ دیہاتوں کو جوں کا توں رکھنے پر قناعت کرتا ہے اسکا اسلام ایسا ہے نہ اسکی توضیح و تشریح ہوسکتی ہے اور نہ اس پر تنقید ہی کیجا سکتی ہے۔ اس طرز فکر کے لیڈر اپنا مابقا وقت مکتبی دینیات پر صرف کرتے ہیں۔

سیاسی حیثیت سے ان میں سے بعض نے مسلم لیگ کی حمایت کی لیکن اکثر بے عمل اور جامد رہے ہے۔

مشہور دار العلوم دیوبند اس سے بالکل مختلف ہے۔ دار العلوم دیوبند از ہر ثانی اسلامی دنیا میں اہم ترین اور معزز ترین مذہبی ادارہ ہے قدرتی طور سے اسکا اعزاز و اثر ہندوستان میں بہت زیادہ ہے خصوصاً اس وجہ سے کہ اس نے ہندوستان کے مسلمانوں کی معاشی ترقی میں اپنی قدیم روایات کے مطابق کافی دلچسپی لی۔ ان روایات قدیمہ کا مبدا شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ دہلوی اور ہندوستانی وہابیوں کی تحریک ہے انھیں روایات کے پیش نظر دیوبندی علماء نے مختلف انقلابی تحریکوں میں حصہ لیا۔ مثلاً انقلاب ۱۹۱۵ء یا حال ہی میں کانگریس قومیت کی حمایت۔ بریلوی طرز فکر کے برعکس دیوبندی طرز فکر اس سے مطمئن نہیں ہے کہ حالات جوں کے توں رہیں۔ بلکہ وہ حالات کو ترقی دینے کی جد و جہد میں پورے عزم اور جوش کے ساتھ منہمک ہے اسکا نقطۂ نظر حقیقی اسلام کا احیاء ہے یعنی مسلمانوں کو مذہبی رنگ کی بداعمالیوں، رسوم و رواج کی پستی اور اس مادی دستبرد سے نجات دلانا جس کے وہ برطانوی تسلط کے وقت سے شکار ہو رہے ہیں۔

دینیاتی اعتبار سے یہ نقطۂ نظر شدید قسم کی تقلید پسندی کا حامل ہے۔ اجتہاد کا دروازہ اس کے یہاں سختی سے بند ہے۔ دیوبند اسلام کے حدود کی نگہداشت میں بہت سخت ہے لیکن ان حدود کے اندر رہتے ہوئے وہ ایک عقلیت پسند

ہے ۔ وہ گمراہی نفاق اور ذہنی کاہلی کو شکست دینے کیلئے برابر کوشاں ہے ۔ دینی ماحول مکمل طور پر متکلمانہ ہے ۔ اسکے پروفیسر بہت حد تک پرانے طرز فکر کی تقلید کرتے ہیں ۔ اسی لئے وہ غیر جاگیردارانہ نظام کے سماجی اور فلسفیانہ مسائل کو سمجھنے سے قاصر رہے ہیں

عملی میدان میں دیوبندی علماء اہلحدیث اور پیورٹین فرقہ کی طرح بہت کٹر ہیں ۔ وہ عزم راسخ کیساتھ اس غلط کاری اوہام پرستی پیر پرستی لوازم جہالت اغربت اور خوف و ہراس کے خلاف کمربستہ ہیں جو پست دیہاتی سوسائٹی کی رگ و ریشہ میں سرایت کئے ہوئے ہے ۔ انکا نقطۂ نظر روائتی اسلام ہے جو اپنی خالص ترین شکل میں ہو ۔ نیز شریعت کا سختی سے نفاذ ۔

تاریخی اسلام کے بارے میں انکا تخیل محققانہ ہے بخلاف آزاد خیال طبقہ کے جو اگرچہ زمانۂ ماضی میں ایک مثالی دور کا بہت خوشنما اور رنگین نقشہ پیش کرتا ہے لیکن اس نقشہ میں تعلیمات اسلامی کی مہذب معلومات کا رنگ بھرنے کی بجائے وہ زمانۂ موجودہ کے آزادانہ خیالات و نظریات کا بہت گہرا رنگ بھر دیتا ہے ۔

سماجی اعتبار سے دیوبند اس حد تک ترقی پسند ہے کہ وہ توہمانہ خیالات کے امتزاج کو ختم کرنے کی سعی میں بہت شدت سے مصروف ہے لیکن اتنی ہی شدت سے اپنی سطح سے بلند ہونے کی مخالفت بھی کرتا ہے دیوبند بلا اعتبار تمام بدعات اور جدت پسندیوں کا سخت مخالف ہے خواہ وہ ترقی کی جانب لیجانے والی ہوں یا تنزل کی جانب مثلاً وہ تعدد ازدواج کی حمایت کرتا ہے اور مسلمان لڑکیوں کی جبری تعلیم کا سخت مخالف ہے ۔ تحریک دیوبند بنیادی طور پر رجعت پسندانہ اور جاگیردارانہ ہے لیکن متوسط طبقہ اور اس کے مظالم سے عداوت کی شدت نے اسے ترقی پسند طاقتوں کا عارضی مگر نہایت اہم شریک کار بنا دیا ہے ۔

ماڈرن اسلام ان انڈیا مصنفہ پروفیسر ولفرڈ کینٹویل اسمتھ صفحہ ۳۲۱-۳۲۰

مترجمہ عزیز احمد قاسمی بی ۔ اے (جامعہ)

مسٹر اسمتھ نے اپنی کتاب ماڈرن اسلام ان انڈیا میں دار العلوم دیوبند کا تعارف بہت پرشوکت الفاظ میں کرایا ہے آخر میں موصوف نے کچھ تنقید بھی کی ہے ۔ جو مصنف کے نقطۂ نظر سے بہت اہمیت رکھتی ہے میں اس تنقید پر کچھ عرض کرنیکی جراءت ضرور کروں گا موصوف نے یہ اعتراض کیا ہے کہ دیوبندی علماء تعدد ازدواج کے حامی ہیں اور عورتوں کی جبریہ تعلیم کے مخالف ہیں لہذا ذیل میں انھیں اعتراضات کے پیش نظر بحث ہوگی ۔

ایک ہی شے کو اگر مختلف زاویۂ نگاہ سے دیکھا جائے تو وہ مختلف شکلوں میں نظر آتی ہے مثلاً اگر ہم ایک سوئی لیکر اپنی آنکھوں سے دیکھیں تو وہ نہایت چکنی سڈول اور بالکل سیدھی نظر آئیگی لیکن اگر اسی سوئی کا نصف حصہ پانی میں ڈبا دیں اور نصف حصہ اپنے ہاتھ میں رکھیں تو وہی سوئی جو بالکل سیدھی تھی درمیان سے خمیدہ نظر آئیگی جیسے

اسلام کا امتیازی فخر

از

(جناب مولانا احسان اللہ خان صاحب نجیب آبادی فاضل دیوبند)

جو مذہب ترقی سے مانع ہو وہ مذہب حق نہیں کہا جا سکتا یہ دعوی اپنے کمال شہرت کی وجہ سے آج کل کسی دلیل کا دست نگر نہیں رہا اور ہر سلیم عقل اسے ہر وقت قبول کرنے کو طیار ہے موجودہ زمانہ میں یہ صدائیں ہر طرف سے بلند ہو رہی ہیں کہ اہل اسلام کیوں تنزل میں ہیں اور وہ کس طرح ترقی کر سکتے ہیں اس کا جواب وہ لوگ جو یورپ کے تہذیب و تمدن پر مٹے ہوئے ہیں یہ دیتے ہیں کہ جب تک اہل اسلام مذہبی طوق و سلاسل اپنی گردن سے علیحدہ نہ کریں گے اس وقت تک وہ ہرگز ترقی نہیں کر سکتے لیکن ہم ان سے یہ دریافت کرنا چاہتے ہیں کہ ترقی سے ان کی کیا مراد ہے اگر ترقی کے معنے صرف مال جمع کرنے کے ہیں تو اس کو ہر شخص جسے فطرت سلیمہ سے کچھ بھی حصہ ملا ہے کبھی تسلیم نہ کرے گا۔ اور اگر ترقی کے معنی وہ ہیں جو ہمارے اسلاف صحابہ و تابعین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے زمانہ میں تھی تو ہم نہیں سمجھ سکتے کہ وہ کون سے اصول ترقی ہیں جن سے اسلام روک رہا ہے مسلمانوں کے اس امتیازی فخر میں دنیا کی کوئی متمدن قوم ان کی حریف نہیں ہو سکتی کہ مسلمانوں نے صرف مسلمان ہونے کیوجہ سے اور محض اپنے دین کی پیروی کے سبب سے دینی و دنیوی ترقیاں حاصل کیں اسلام سے چھ صدی پیشتر سے یورپ میں عیسائیت کا غلبہ رہا مگر اہل یورپ نے تین خداؤں کی زیر حمایت بھی صدیوں تک کوئی نمایاں ترقی نہیں کی جہالت کی تاریکی تمام براعظم میں چھائی رہی ایک سچا عیسائی ایک یہودیت کا پیرو یا ویدک دھرم کا فدائی محض اپنے قوانین مذہب پر کاربند ہو کر کبھی ترقی نہیں کر سکتا۔ عیسائی جب تک اپنے مذہب پر کاربند رہے جب تک انہوں نے نصرانیت کے دامن کو مضبوط پکڑے رکھا جب تک تثلیث حقیقی معنی میں ان کے یہاں ہر امر میں کفیل سمجھی گئی وہ جہل واوہام پرستی میں مبتلا رہے وہ درطۂ ذلت سے کبھی سر نہ ابھار سکے ان کے مذہب نے ان میں کوئی نئی روح پھونک کر کبھی انہیں یہ ہدایت نہ کی کہ وہ ترقی کے کسی شعبہ میں کچھ کار نمایاں کر سکیں ان کے راہبوں نے ہمیشہ انہیں یہ تعلیم دی کہ دنیا و مافیہا کو چھوڑ کر صحرا نشینی اختیار کرو یہود کو ان کے احبار نے کبھی راہ ترقی پر نہ پڑنے دیا کیونکہ ان کو کتب آسمان

کی تحریف سے ہی مہلت کہاں تھی ویدک دہرم کے مقتدا جوگیوں اور سادہوؤں نے اپنی عمریں کوہ ہمالیہ کی چوٹیوں پر گذار دیں انھوں نے اپنے ہم مذہبوں کو یہ تعلیم دی کہ انسان صرف اس لیئے پیدا ہوا ہے کہ وہ دیوتاؤں پر اپنی جان قربان کردے انھوں نے یہ تعلیم دے کر کہ جسمانی عبادتوں میں مقبول عبادت یہ ہے کہ فلاں دیوتا کے نام پر اپنا ہاتھ یا پاؤں بے حس وبیکار کردیا جائے ہزار ہا مخلوق خدا کو بیدست وپا بنا کر فطرۃ اللہ کا خاکہ اڑایا ملکی ترقی تو در کنار وہ اپنے محدود مقبوضات کی بھی حفاظت نہ کرسکے یہ حالت تو عجم کی تھی آیئے ہم آپ کو عہد اسلام عرب کا نظارہ کرائیں اس کی حالت معلوم کہنے کے لیئے ہم کو تاریخ مذاہب کے تیرہ سو ورق الٹنے پڑیں گے بعثت نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم سے قبل کا ایک منظر ہماری پیش نظر ہے ہم دیکھ رہے ہیں کہ عرب کے صحرانشین بدوی ایک جلسہ میں بیٹھے ہوئے اپنے کمالات کا اظہار کر کے ایک دوسرے پر مفاخرت کر رہے ہیں ایک کہتا ہے کہ میں نے آج اتنے راہگیروں کو تہ تیغ کر کے ان کا مال واسباب لوٹ لیا۔ دوسرا کہتا ہے کہ میں نے آج اتنی باعصمت عورتوں کی عصمت ریزی کی تیسرا کہتا ہے کہ اتنے سال سے میرے خاندان میں اتنی لڑکیاں پیدا ہوکر زندہ آغوش لحد میں سلادی گئیں چوتھا کہتا ہے کہ میں نے آج اتنے معصوم بچوں کو ظل پدری کے بار گراں سے سبکدوش کر کے یتیمی وبیکسی کی تیز دھوپ میں تڑپتے ہوئے چھوڑا ہم دیکھ رہے ہیں کہ عرب کے سینکڑوں قبیلے ایسے بھی ہیں کہ جنہیں معمولی معمولی باتوں پر صدیوں سے قتل وقتال چلا آتا ہے۔ ہر سال آپس کی خانہ جنگیوں پر لاکھوں قیمتی جانیں قرباں ہوتی ہیں سیکڑوں خاندان تباہ ہورہے ہیں ہزاروں یتیم بچے بے انتہا بیوہ عورتیں لاوارثی کی حالت میں ایڑیاں رگڑ رگڑ کر دم توڑ رہے ہیں اور وہ عربوں کی تلوار جس کا ایک عالم لوہا مانتا ہے اپنے ہی ابنائے جنس پر آزمائی جارہی ہے تہذیب کا نمونہ یہ ہے کہ بیت اللہ کا طواف ننگے مادر زاد ہوکر کیا جارہا ہے۔ سفاکی اس سے بڑھ کر کیا ہوگی کہ اگر یہ معلوم ہوجائے کہ ہمیں ایک درہم ملنے کی امید ہے تو کبھی ایک محترم انسان کا خون بہانے میں پس وپیش نہیں کیا جاتا اعتقادات عبادات کا مختصر خاکہ یہ ہے کہ وہ اپنے دلمیں سمجھے ہوئے ہیں کہ اگر کہیں خدا کی ہستی ہوسکتی ہے تو وہ بھی ہمارے ہاتھ کے تراشے ہوئے پتھر کے ٹکڑے ہیں حیات وممات انہیں کے قبضہ قدرت میں ہے اور انھوں نے ہی ہمارے تمام امور ضروریہ کی کفالت کا ذمہ لے لیا ہے غرضکہ مہذب اقوام آج جن افعال کو خصائل ذمیمہ وخبائث میں شمار کرتی ہیں ان

کے یہاں وہ عین کمالات میں داخل ہیں صدیاں گذر گئیں کہ عرب میں نہ کوئی ہادی دین کی آواز سننے کا خوگر ہے نہ کسی باہیبت سلطان کے زیر اثر محکوم رہنے کا عادی یہ رذائل تھے جو انہیں اپنی ناگفتہ بہ حالت پر قانع بنائے ہوئے تھے .... یہ اسباب تھے جنھوں نے ان کی مسوخ عقل کو یہ سمجھا دیا تھا کہ بہائم کی طرح زندگی بسر کرنا ہی انسانی زندگی خلقت کا مقصد اصلی ہے یہ لاعلاج بیماریاں تھیں جو ان کی روحانی اور جسمانی طاقتوں کو بےحس بنا کر انہیں صحت سے مایوس کر چکی تھیں۔
یہ قوم اپنی خانہ جنگیوں کی وجہ سے اپنی چار دیواری میں لاکھوں انسانی قربانیاں کرتے کرتے یخربون بیوتھم بایدیھم (اپنے ہاتھوں سے اپنا گھر ڈھاتے ہیں) کی صحیح مصداق بن چکی تھی اور قریب تھا کہ حرف غلط کی طرح صفحۂ ہستی سے محو ہو کر گم نامی کو اپنی یادگار چھوڑ جائے کہ ملتہ ابراہیمی کی شمع سحری نے بارگاہ رب العالمین میں فریاد کی (خیز کہ شد مشرق و مغرب خراب) اس درد بھری شیون کو اجابت نے ہاتھوں ہاتھ لیا افق حجاز سے آفتاب اسلام طلوع ہوا جس کی منور شعاعوں نے یورپ جیسے تیرہ و تاریک ملک کے کونے کونے کو روشن کر دیا۔ تثلیث کو توحید کا مرہون منت ہونا پڑا عرب جیسی اندھیر نگری سے کفر کی ظلمت کو دور کیا دم کے دم میں کایا پلٹ دی۔ ایک کملی پوش نے اس ظلمت کدہ میں جہاں صدیوں سے لاکھوں خود تراشیدہ خدا پوجے جا رہے تھے ایک نعرہ لگا کر تعالوا الی کلمۃ سواء بیننا و بینکم ان لا نعبد الا اللہ (چلو ایک ایسے امر کی طرف کہ ہم میں اور تم میں مساوی ہے یہ کہ ہم تم سوائے خدا کے کسی کی عبادت نہ کریں)) اللہ اللہ اس آواز میں کس بلا کا مقناطیسی اثر بھرا ہوا تھا کہ لاکھوں سرکشوں کی گردنیں اپنے مصنوعی خداؤں سے پھر کر اس خدائے وحدہ لاشریک کے آگے جھک گئیں آناً فاناً میں ہوا کا رخ پلٹ گیا (صبح دو رخ میں ہوئی گلشن فردوس میں شام) وہ عرب العرباء جن کی فصاحت کے آگے تمام اہل عالم عجم (گونگے) تھے آج ایک رسولؐ برحق کی زبان سے اللہ الکلام سن کر یہ کہہ رہے ہیں (ما ھذا قول البشر) (یہ انسان کا کلام نہیں ہے) جن کی طاقت لسانی دریا کی روانی پر خندہ زن تھی آج ایک امیؐ کی زبان سے علی روس الاشہاد یہ یہ دعویٰ سن کر (فاتوا بسورۃ من مثلہ وادعوا شھداءکم من دون اللہ ان کنتم صادقین گونگے ہو گئے ہیں وہ عرب جو کل تک اپنی چار دیواری سے نہیں نکل سکتے تھے آج انہوں نے ملک گیروں کی فہرست میں صف اول میں جگہ حاصل کی آن کی آن میں قیصر روم کا تخت الٹ دیا۔ کسریٰ

ایران کے محل کی اینٹ سے اینٹ بجادی ہزاروں برس کی چلتی ہوئی شمع زردشتی کو بجھا دیا اسپین سے لیکر چین تک بحر اوقیانوس سے لیکر بحر کابل تک اللہ اکبر کے نعروں سے تختۂ زمین کو متزلزل کر دیا۔ مداین - قادسیہ - یرموک کے میدانوں کو ہرقل اور رستم ابن فرخ زاد جیسے پرسطوت لوگوں کے خون سے لالہ زار کر دیا۔ اوشینیا کے تمام جزائر میں اپنے نام کا خطبہ پڑھوایا اور عرب جن کی متوحش المزاجی یہانتک پہونچ چکی تھی کہ دو قبیلوں کو کبھی یہ دن نصیب نہ ہوا تھا کہ باہم بیٹھ کر تبادلۂ خیالات کرلیں آج (انما المومنون اخوۃ) کی پاکیزہ تعلیم نے ان کو اخوۃ اسلامی کی حبل المتین میں ایسا مضبوط جکڑ دیا ہے کہ زمانہ کی ہزاروں گردشیں بھی اس پر کچھ اثر نہیں کر سکتیں وہ لوگ جو دختر کو ننگ خاندان سمجھ کر زندہ درگور کر دیتے تھے آج فتح مکہ میں ایک لاوارث لڑکی کی تربیت کے لئے باہم جھگڑ رہے ہیں وہ لوگ جو کل تک بوجہ مفلسی ایک درہم کو ایک انسان کے محترم خون سے زیادہ سمجھتے تھے۔ آج اُن میں تمول کی یہ حالت ہے کہ کوئی زکوۃ قبول کرنے والا نہیں ملتا۔ وہ قوم جو کل تک خود گمراہ پھرتی تھی جس کی جہالت نظیروں میں پیش کی جاتی تھی اسلامی تعلیم نے اس پر وہ اثر کیا کہ آج تمام عالم کی رہبر و مقتدا بنی ہوئی ہے۔

اس وقت یورپ نے جو اصول ترقی قائم کئے ہیں ان میں مساوات[1] - اتفاق[2] - ہمدردی[3] ایثار - کو زیادہ مہتم بالشان سمجھا جاتا ہے لیکن یورپ کو یہ اصول اگر آج نظر آئے ہیں تو اسلام میں اب سے تیرہ سو برس پہلے ان پر عمل ہو چکا تھا وہ کون سے ایسے اصول ہیں جن کو یورپ نے آج ایجاد کیا ہے اور وہ کونسا معیار ترقی ہے جس میں وہ عرب کے نقش قدم پر چلنے کے محتاج نہ ہوں - قانون مساوات پر یورپ میں زیادہ زور دیا جا رہا ہے ہمارے ملک کے اُن نوجوانوں میں بھی جو نئی روشنی سے (جو حقیقت میں صبح کاذب کی روشنی ہے) اپنے دماغوں کو منور کر چکے ہیں اس کا زیادہ چرچا ہے مگر ان کو اس سے واقف رہنا چاہئے کہ یورپ مساوات کا کوئی نمونہ ایسا پیش نہیں کر سکتا جیسا اسلام نے کر دکھایا - کیا چشم حسد دیکھنے سے مانع ہے قومی ہمدردی مساوات - اپنے آرام کو قومی منافع پر قربان کر دینا یہ اوصاف حمیدہ صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین میں بدرجۂ اتم موجود تھے یورپ کا متعصب سے متعصب مورخ بھی اسلام کی اس شاندار ترقی سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہا (مدعی لاکھ پہ بھاری ہے گواہی تیری) آئیے ہم آپ کو

اہل یورپ ہی کی زبان میں اسلامی اصول کی داستان سنائیں۔ موسیو گستاؤلی بان جو فرانس۔ کا مشہور مورخ ہے اپنی تصنیف تمدن عرب میں حالات صحابہ رضہ میں لکھتا ہے۔

یہ سب حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے صحابہ رضہ تھے اور ان میں پیغمبر خدا کی سخت زندگی اور سادہ عادتیں موجود تھیں اور کسی قسم کی شان حکومت ان میں موجود نہ تھی حضرت ابوبکر رضہ نے اپنی وفات کے وقت کل تین چیزیں چھوڑی تھیں ایک جوڑا کپڑا جو آپ پہنتے تھے۔ ایک اونٹ جس پر آپ سوار ہوتے تھے ایک غلام جو آپ کی خدمت کیا کرتا تھا وہ بیت المال سے اپنے اذاقہ کیلئے کل پانچ درہم لیا روزانہ لیا کرتے تھے حضرت عمر رضہ بجائے اس کے کہ افواج کی بیش بہا غنیمتوں میں حصہ لیں محض ایک عبا کے مالک تھے جس میں متعدد پیوند تھے اور آپ رات کو مسجد میں سیڑھیوں پر غرباء کے ساتھ سو رہا کرتے تھے خلفاء راشدین (رضی اللہ تعالے عنہم) کے زمانہ میں ہر شخص برابر سمجھا جاتا تھا اور ایک قانون سب کیلئے تھا۔ حضرت علی (کرم اللہ وجہ) خلیفہ چہارم خود بنفس نفیس ایک عدالت کے سامنے مدعی بن کر آئے ایک ایسے شخص پر دعویٰ کیا جس نے آپ کی زرہ چرائی تھی جس وقت غسان کا نصرانی بادشاہ جو مسلمان ہو گیا تھا حضرت عمر رضہ سے ملنے کیلئے آیا حسب اتفاق ایک عرب نے نادانستہ اسے دھکا دیدیا اس پر بادشاہ نے خفا ہو کر اسے مارا عرب کو سخت چوٹ آئی حضرت عمر رضہ نے یہ فیصلہ کیا کہ وہ بھی بادشاہ سے بدلے اس پر بادشاہ نے کہا اے امیر المومنین یہ بھی ہو سکتا ہے ایک عامی آدمی بادشاہ کو مارے حضرت عمر رضہ نے جواب دیا کہ اسلام کا یہی قانون ہے اسلام میں نہ درجہ کی عزت ہے نہ ذات کی ہمارے پیغمبر (صلے اللہ علیہ وسلم) کی نظر میں سب مسلمان برابر تھے ان کے خلفاء کی نظر میں بھی یہ ہی مساوات قائم رہیگی (انتہی کلامہ) مصنف نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا پورا واقعہ نہیں لکھا۔ اصل واقعہ یہ تھا کہ ایک یہودی نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد خلافت میں ان کی زرہ چرائی تھی حضرت علی رضہ نے اپنے مقرر کردہ قاضی شریح کی عدالت میں بنفس نفیس مدعی بنکر اس پر دعویٰ کیا جس پر قاضی نے حسب قانون اسلام دو گواہ طلب کئے اور گواہ دستیاب[ع۵] نہ ہونے پر یہودی کے حق میں فیصلہ کیا حضرت علی رضہ واپس چلے

[ع۵] آپ کے پاس سوائے اپنے غلام حضرت قنبر رضہ و صاحبزادہ حضرت حسن رضہ کے اور گواہ نہیں تھا اور اپنے غلام اور ابن کی گواہی عند الشرع مدعی کے حق میں مفید نہیں ۱۲

آئے چنانچہ اس مساوات کو دیکھ کروہ یہودی مسلمان ہوگیا یہ ہے اصول مساوات کا بہترین نمونہ کیا کوئی متمدن قوم آج اپنے افراد میں ایسی نظیر پیش کر سکتی ہے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جب سب صحابہ بیعت کر چکے تو آپ نے فرمایا کہ اے برادران اسلام مجھے حکومت کرنے کی خدمت سپرد ہوئی ہے اگر میں اچھا کام کروں میری اعانت کرو۔ اگر میں غلطی کروں مجھے روکو جس شخص کے ہاتھ میں حکومت ہو اس سے صحیح بات کہنا عبادت ہے اور سچ کا چھپانا معصیت۔ میرے سامنے قوی اور ضعیف مساوی ہیں اور میں چاہتا ہوں ہر ایک کے ساتھ بلا رورعایت انصاف کروں اگر میں کسی وقت بھی اپنے کو حکم خدا و رسول سے منحرف کروں تو اسی وقت تم لوگ میری اطاعت سے بری الذمہ ہو جاؤ گے۔ یہ ہے مساوات کی صحیح تعلیم اور کیوں نہ ہو جب کہ قرآن مجید میں موجود ہے ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم خدا کے نزدیک مقرب تم میں سے وہ شخص ہے جو متقی زیادہ ہو۔ خواہ وہ قبیلہ قریش کا کوئی سردار ہو یا روم وحبش کا کوئی برآوردہ پیغمبر علیہ السلام صلی اللہ علیہ وسلم نے لیس لعربی علی اعجمی فضل عربی کو غیر عربی پر کوئی فضیلت نہیں ہے۔ فرما کر اس اساس مساوات کو مضبوط کیا ایثار و عدل و انصاف دیکھئے تو اس کا منبع بھی اسلام ہی ہے۔ ہمیں تاریخ پر سرسری نظر ڈالنے سے عدل و انصاف و ایثار کی بہت سی ایسی جزئیات نظر آتی ہیں جنھیں دیکھ کر ہم حیرت زدہ ہو جاتے ہیں۔

بیت المقدس کا صلحنامہ تیار کرنے کے لئے جب خلیفہ ثانی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جانے کا قصد کیا تو ایک اونٹ سواری کے لئے لیا اور ایک غلام ہمراہ تھا راستہ میں کچھ دور آپ خود سوار ہوتے تھے اور غلام نکیل تھامتا تھا۔

اور کچھ دور غلام سوار ہوتا تھا اور آپ بنفس نفیس نکیل تھامتے تھے۔ جب کفار میں پہونچنے کا وقت قریب آگیا تو اتفاق سے غلام کے سوار ہونے اور آقا کے مہار تھامنے کی باری تھی غلام نے نہایت التجا سے عرض کیا کہ اے مالک رقاب الامم اس وقت آپ کا سوار ہونا اور میرا نکیل تھامنا زیادہ مناسب ہے مگر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ہم انصاف سے ذرا ہٹنا نہیں چاہتے چنانچہ اسی ہیئت سے کفار میں داخل ہوئے ایثار و ہمدردی کی مثال اس سے زیادہ کیا ہوگی کہ...

حضرت خالد ابن الولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں ایک غزوہ میں شریک تھا ایک صحابی زخمی

ہو کر گرا اور تڑپنے لگا اس دم توڑنے کی حالت میں اس نے مجھ سے پانی مانگا میں پانی لایا ابھی اس نے آبخورہ ہونٹوں سے نہیں لگایا تھا کہ ایک دوسرا مسلمان زخمی ہو کر گرا اور اس نے بھی پانی طلب کیا اس پہلے شخص نے اس کی پیاس لحاظ کر کے خود پانی نہ پیا اور کہا کہ وہ دیکھو میرا بھائی پیاسا تڑپ رہا ہے پہلے اسے پلاؤ میں اس کے پاس پانی لے گیا کہ تیسرا زخمی ہو کر گرا اور اس نے پانی مانگا اس دوسرے شخص نے بھی یہی کہا کہ پہلے اس شخص کو پلاؤ جو ابھی گرا ہے حتیٰ کہ سات مسلمان زخمی ہو کر گرے اور سب نے پانی طلب کیا مگر اپنے دوسرے بھائی کی پیاس کا لحاظ کر کے خود پانی نہیں پیا جب آخیر آدمی نے بھی نہ پیا تو میں اول شخص کے پاس پانی لایا دیکھا تو وہ شہید ہو چکا تھا دوسرے کے پاس لے گیا وہ بھی اپنی زندگی کے سانس پورے کر چکا تھا غرض کہ ساتوں کے ساتوں نے محض دوسرے بھائی کی ہمدردی کر کے جام شہادت پیا

آج کوئی قوم کوئی مذہب ایثار و ہمدردی کا ایسا نمونہ پیش نہیں کر سکتا۔ یہ اسلام ہی کی پاکیزہ تعلیم پر کاربند ہونے کا نتیجہ تھا کہ اخلاقی ترقی میں وہ لوگ تمدن اقوام سے گوئے سبقت لے گئے ہر قوم کی ترقی و تنزل کا دارومدار اس کی اخلاقی حالت صحت و سقم پر ہے جس قوم میں اخلاقی تعلیم اعلیٰ پیمانہ پر دیجاتی ہو وہی قوم راس الاقوام کہلائے جانے کی مستحق ہے اور وہی دین فطری کہلاتا ہے جس کے اصول اعمال فطرۃ کے مطابق ہوں فطرۃ کا مقتضی عدل و احسان صلہ رحمی برے کاموں سے اجتناب ...... ہے

قرآن مجید میں یہ اخلاقی تعلیم موجود ہے ان اللہ یامر بالعدل والاحسان وایتاء ذی القربیٰ وینھیٰ عن الفحشاء والمنکر والبغی۔ خدائے تعالیٰ حکم کرتا ہے عدل و احسان اور اہل قرابت کے ساتھ صلہ رحمی کا اور روکتا ہے لغو و منکر حرکات و فساد سے۔ بنا بریں اگر یہ کہا جائے کہ فطرۃ کا دوسرا نام اسلام ہے تو واقعیت کا اظہار ہے۔ جب اسلام فطرۃ اللہ ہوا تو انسانوں کا تارک الدنیا ہونا تمدن و معاشرت اور ادائے حقوق العباد سے یکسو ہو کر جنگلوں اور پہاڑوں میں چلہ کشی کرنا طرح طرح کی نعمتوں سے محروم ہو کر درختوں کے پتے چبانا فطرۃ اللہ کے بالکل خلاف اور صریح کفران نعمت ہے۔ سوائے ان خاص صورتوں کے کہ جو کوئی خدا اور آخرۃ پر ایمان رکھنے والا انسان لذائذ دنیوی اور تعیشات نارو امیں منہمک ہو کر اس قدر بدمست ہو جائے کہ زبان حال و قال سے یہ کہہ بیٹھے۔ شعر

اب تو آرام سے گذرتی ہے — عاقبت کی خبر خدا جانے

ایسے حالات اور مہلک امراض کے ہوتے ہوئے بیشک ہر عقلمند کے نزدیک یہ ضروری ہوگا

کہ اس کو اتنا سخت اور تیز مسہل دیا جائے جو اس کے تمامی مواد فاسدہ کو نکال کر مرض کو بیخ و بن سے اکھاڑ کر پھینکدے ایسے معالجہ کے وقت اگر بہت سے مباحات سے برائے چندے اس کے مزاج کو اعتدال پر لانیکے لئے پرہیز کرایا جائے تو فی الحقیقت اس کے یہ معنی نہ ہوں گے کہ یہ نعمتیں خدا کی جن سے اس کو روکا گیا ہے اس کے انتفاع کے لئے پیدا نہیں ہوئیں بلکہ سچ پوچھو تو اس کو برائے چندے بعض ایسی نعمتوں سے محروم رکھنا اسی لئے ہے کہ وہ مزاج معتدل پانے کے بعد جائز طور پر استفادہ کر سکے یعنی ان میں مبتلا ہو کر خدا کا خوف اور آخرت کا خیال اپنے دل سے نہ بھلا بیٹھے پس ایسی خاص خاص صورتوں کے پیش آنے سے دھوکہ کھانا بالکل ایسا ہی ہے جیسا کہ اگر کوئی شخص کسی طبیب کی رائے میں یہ اشیاء لوگوں کے انتفاع کیلئے پیدا نہیں ہوئیں یہی مراد ہے قران مجید کی اس آیت سے کلو واشربوا ولاتسرفوا یعنی کھاؤ پیو اور حد سے تجاوز نہ کرو اور یہی مطلب ہے آیت قل من حرم زینۃ اللہ التی اخرج لعبادہ والطیبات من الرزق۔

اور یہ ہی محل ہے ارشاد نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کا لارھبانیۃ فی الاسلام اسلام میں رہبانیۃ نہیں ہے۔ اسلام اور تمدن کا چولی دامن کا ساتھ ہے ایک سچا مسلمان صرف اپنے پاکیزہ دین کی پابندی کرنے سے تمام ترقی یافتہ قوموں سے دینی و دنیوی ترقیوں میں آگے نکل سکتا ہے اور جب تک مسلمان اصول اسلام کے پابند رہے جب تک انہوں نے اسلام کے دائرہ سے قدم باہر نہ نکالا جب تک مسلمان حقیقی معنوں میں مسلمان رہے کوئی قوم ترقی کے کسی شعبہ میں ان کی گرد راہ کو نہیں پہنچ سکی۔

عیسائیوں کی موجودہ ترقی بہت قریب زمانہ سے شروع ...... ہوئی ہے وہ اسوقت سے جب کہ عیسائیت کا اثر ان کے دلوں سے زائل و محو ہونا شروع ہوا اسلامی اصول کو انہوں نے اپنا قبلۂ آمال بنایا ہم نے جب اسلامی اصول سے علیحدہ ہو کر ترقی کرنی چاہی ناکامیوں کی ٹھوکروں میں ہم روندے گئے عزت کی بجائے ذلت ہم کو نصیب ہوئی خصائل ذمیمہ نے ہمارے دلوں میں نشوونما پا کر ہمارے فطری جوہر کو بیکار کر دیا خودداری و خودآرائی کے ہاتھوں ہم اپنی ماتحت قوموں کے رحم پر چھوڑ دیئے گئے کیسی حسرت انگیز حالت ہے کہ خاص اپنے گھر میں ہم بے وطن بنے بیٹھے ہیں عزت کی شریفانہ زندگی نے جو ہمارا شعار رہتی چلی آئی ہے جس کی

کسی نے درمیان سے موڑ دیا ہو۔ کیونکہ ڈوبے ہوئے حصہ کے حق میں ہمارا زاویۂ نگاہ بدل جائے گا۔

اسی سوئی کو اگر ہم خوردبین کے نیچے رکھکر دیکھیں تو بجائے ایک خوشنما اور سڈول سوئی کے ہمیں ایک بھدی کھردری اور بدنما سوئی نظر آئیگی۔ چیز وہی ہے مگر زاویۂ نظر کی تبدیلیوں نے کس قدر فرق کر دیا۔

مسٹر اسمتھ کے اور ہمارے طرزِ فکر میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ ہمارا طرزِ فکر استخراجی (استدلالی) (Deduction) ہے۔ ہمارے سامنے ایک کلیہ ہوتا ہے۔ اسی اصول کلی پر ہم تمام جزئیات کو پرکھتے ہیں۔ اپنے اصول کلی کے بارے میں ہم اسقدر سخت اور کٹر ہیں کہ خواہ کتنی ہی دقتیں پیش آئیں ہم اپنے کلیہ کو مجروح نہ ہونے دینگے۔ ہاں اسکی البتہ کوشش کرینگے کہ جزئیات کو کسی نہ کسی نہج سے کلیہ کے تحت لے آئیں۔ اس کے برخلاف مسٹر اسمتھ کا طرزِ فکر استقرائی ہے (Induction) موصوف کے سامنے کچھ جزئیات ہوتے ہیں۔ ان سے وہ ایک کلیہ اخذ کر لیتے ہیں وہ جزئیات میں توڑ مروڑ کو ہرگز برداشت نہیں کر سکتے خواہ کلیہ میں انھیں ترمیم کرنی پڑے۔ ہمارے نزدیک اہم کلیہ کی حفاظت ہے اور مسٹر اسمتھ کے نزدیک جزئیات کی حفاظت۔

دار العلوم کے طرزِ فکر پر جو تنقید کی گئی ہے وہ اسی فکری اختلاف کا نتیجہ ہے مسٹر اسمتھ کے نزدیک تعدد ازدواج اور لڑکیوں کی جبری تعلیم کے مسائل کو جو جزئیات کی حیثیت رکھتے ہیں اس قدر اہمیت حاصل ہے کہ اصل کلیہ کی طرف ان کا ذہن منعطف ہی نہیں ہوتا۔ اصل کلیہ ہے "ایک صالح انسانی سوسائٹی کا تصور" دار العلوم دیوبند اپنے طرزِ فکر کے پیش نظر اس تصور کی جامعیت اور کلیہ کو ہر قیمت پر باقی رکھے گا اگر اس کے سامنے تعدد ازدواج کا مسئلہ آئیگا تو وہ اس پر اپنے کلیہ کی روشنی میں غور کرے گا۔ کہ آیا ایک "صالح انسانی سوسائٹی" کیلئے تعدد ازدواج کی حمایت مفید ہوگی یا مخالفت (جنگ عظیم ثانی نے اس مسئلہ کو حل کرنے میں بہت کافی رہنمائی کی ہے۔ اس جنگ نے یوروپین ممالک کی سیکڑوں نہیں لاکھوں عورتوں کا سہاگ لوٹ لیا۔ اب سوال یہ تھا کہ ان عورتوں کا کوئی انتظام کیا جائے یا انھیں سمندر کی لہروں کے سپرد کر دیا جائے۔ انتظام کی صورت یہ سوچی جا رہی ہے کہ مردوں کو ایک سے زیادہ شادیاں کرنے کی اجازت دیجائے تاکہ ملک میں بدکاری نہ بڑھنے پائے نیز آبادی میں جو تخفیف ہو گئی ہے اس خمیازہ کو بھی پورا کیا جا سکے۔ چنانچہ اس کے متعلق بعض ممالک میں اس موضوع پر بل بھی پیش کئے گئے ہیں) اگر جنگ کی تباہ کاریوں کی وجہ سے ملک میں عورتوں کی کثرت ہو جائے جیسا کہ بسا اوقات ہو جایا کرتی ہے تو کیا طریقہ اختیار کیا جائے اس کی دو ہی صورتیں ہو سکتی ہیں یا تو تعدد ازدواج کی اجازت نہ دی جائے اور اس سے قطع نظر کر لیا جائے کہ بدکاری کے شیوع سے سوسائٹی گندہ ہوتی ہے یا نہیں۔

ورنہ پھر ہر مرد کو اجازت دیجائے کہ وہ ایک سے زیادہ شادیاں کر سکے۔ تاکہ سوسائٹی میں کوئی خرابی نہ آنے پائے۔
دارالعلوم ایسے موقع پر دوسری صورت کو اختیار کرے گا کیونکہ انسانی سوسائٹی کی فلاح وبہبود اسی میں ہے البتہ ازدواج کی اجازت دینے میں ایک دقت پیش آئے گی وہ یہ کہ متعدد بیویوں کے درمیان عدل وانصاف قائم رکھنا ذرا مشکل ہوگا۔ لہذا اس اجازت کو مشروط کر دیا جائے گا کہ جو شخص متعدد بیویوں میں عدل قائم رکھ سکے صرف اسی کو ایک سے زیادہ شادیاں کرنے کا حق حاصل ہوگا باقی کو نہیں۔ ابنۃ وان خفتم ان لا تعدلوا فواحدۃ (اگر نہیں یہ خوف ہو کہ (متعدد بیویوں میں) عدل قائم نہ رکھ سکو گے تو صرف ایک شادی کرو) اس کے برعکس مسٹر اسمتھ ایسے نازک مواقع پر بھی یہی فرمائیں گے کہ تعدد ازدواج کی اجازت سے چونکہ نفس پرستی کی بو آتی ہے اس لئے اس کی اجازت کبھی نہیں دیجا سکتی خواہ سوسائٹی برباد ہی کیوں نہ ہو جائے۔
اسی طرح مسلمان لڑکیوں کی جبری تعلیم کا مسئلہ ہے اس مسئلہ پر بھی ہم اپنے مفروضہ کلیہ کو ذہن میں رکھکر غور کریں گے اگر مسلمان لڑکیوں کی جبری تعلیم اس نہج کی ہے کہ انہیں امور خانہ داری، پرورش اطفال اور گھریلو زندگی کے دیگر لوازمات میں مشتاق بنا دیتی ہے اور اس میں ان کی عفت مآبی اور کیرکٹر پر برا اثر ڈالنے کی تمام دروازے مسدود ہیں تو ہم بخوشی اس جبری تعلیم کی اجازت دیں گے کیونکہ ایسی تعلیم ایک صالح انسانی سوسائٹی کا جزو ہے۔ لیکن اگر جبری تعلیم اس نہج کی ہے جو غیر جنسوں سے اختلاط کو تقویت دیتی ہے ان کے کیرکٹر کو خراب کرتی ہے اور امور خانہ داری وفرائض نسوانی سے واقف کرنے کے بجائے رقص وسرود ٹینس وبیڈمنٹن، ناول نویسی وفلمی اداکاری کی جانب راغب کرتی ہے تو ہم اس تعلیم کی سختی سے مخالفت کریں گے کیونکہ ایسی تعلیم ایک صالح انسانی سوسائٹی کیلئے مضر ہے۔ اس کے برعکس مسٹر اسمتھ کا نقطۂ نظر جبری تعلیم ہے۔ انھیں اس سے بحث نہیں کہ تعلیم کس نہج کی ہے اور سوسائٹی پر اس کے کیا اثرات پڑیں گے۔

عزیز احمد قاسمی - بی۔ اے (جامعہ)

نہ کتابوں سے نہ کالج کے ہے در سے پیدا
دین ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا

[illegible]

مسلمانوں کا روشن مستقبل

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدظلہ کی رائے گرامی

یہ کتاب اپنے ذاتی محاسن اور کمالات حقیقیہ کی وجہ سے مستغنی عن التوصیف والمدح ہے بے شک آنست کہ خود ببوید نہ کہ عطار گوید۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ کتاب مسلمانوں کیلئے روشن مستقبل کی کفالت کرنے والی اور اس ... میں انتہائی مفید ہے اور وہ ایسی صحیح اور مفید معلومات پر مشتمل ہے جنکا کسی دوسری جگہ پایا جانا تقریباً ناممکن تھا وہ ایسی ایسی ہدایات کرتی ہے جن کی مسلمانوں کو ہندوستان میں بہت زیادہ ضرورت ہے وہ ایسے ایسے چھپے ہوئے رازوں کو ظاہر کرتی ہے جن پر مطلع ہونا ترقی پسند مسلمانان ہند کو از بس ضروری ہے وہ مسلمانوں کے لئے ہندوستانی سیاست کے میدان میں نہایت تیز اور روشن مشعل ہے وہ نوجوانان اسلام کیلئے ماضی حال اور استقبال کی ایسی عظیم الشان رہنمائی کرتی ہے جس کی نظیر ملنی مشکل ہے اور جس سے استفادہ حاصل کرنے اور استقامت برتنے پر وہ ہر قسم کے خطرات سے محفوظ رہ سکتے ہیں اور بام عروج و ترقی پر پہنچ سکتے ہیں۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ ہر تعلیم یافتہ مسلمان کیلئے نہایت ضروری ہے کہ وہ خود اس کا مطالعہ کرے اور غیر تعلیم یافتہ مسلمانوں کو اس کے مضامین سے مطلع کرے۔ اسی میں سب کی بہتری ہے۔

ضخامت ۲۰۰ صفحات

مجلد مع رنگین گردپوش قیمت صرف ۸/-

چند بہترین کتابیں

- بین الاقوامی سیاسی معلومات
- علماء ہند کا شاندار ماضی (جدید)
- اعجاز القرآن
- حکایات صحابہ
- حیوۃ المسلمین
- تقریر دلپذیر
- اسلام
- حیات خضرؑ
- اصلاح الرسوم
- عشرہ کاملہ
- المہند علی المفند
- اساس انقلاب یا مراقبہ نماز
- اسلامی آزادی کا مکمل پروگرام
- تاریخ الاسلام۔ کامل ہر سہ حصہ
- اختری بہشتی زیور
- اشاعت اسلام

مجلد [illegible]

پتہ:۔ امتیاز احمد مالک اشتیاق بکڈپو دیوبند۔ یو۔ پی

قاضی خلیق احمد صدیقی پرنٹر پبلشر نے ہمدرد برقی پریس دہلی میں چھپوا کر دفتر ماہنامہ دار العلوم دیوبند سے شایع کیا